نماز کی حقیقت

از

محمد منظور نعمانی

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ
از نبیِ اُمّیؐ پیغام دہ

نبیِ اُمّی کی تعلیم (نمبر ۲)

"نماز"

جس میں نماز کی عظمت و اہمیت اور اسکی روح و حقیقت اور پھر حقیقی نماز پڑھنے کا طریقہ کتاب و سنّت کی روشنی میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انشاء اللہ پڑھنے والوں کے دماغ بھی متأثر ہونگے اور دل بھی

از محمد منظور نعمانی

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ
بار سوم ۱۰۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصلحت

دین میں نماز کی جو عظمت و اہمیت ہے اور کتاب و سنت میں اس کی جو رُوح و حقیقت بیان کی گئی ہے اور جن آداب و کیفیات کے ساتھ اُس کو ادا کرنے کی تعلیم دیگئی ہے اور پھر دنیا و آخرت میں ظاہر ہونے والے اُس کے جن نتائج و آثار کی بشارت سنائی گئی ہے ——— شاذ و نادر ہی ایسے اللہ کے بندے ہوں گے جو ان چیزوں سے کچھ باخبر ہوں۔

نماز کے متعلق یہ چھوٹا سا رسالہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے اس کو غور سے پڑھیے، انشاء اللہ اس میں مختلف عنوانوں کے تحت آپ کو یہ سب باتیں، اور ان کے علاوہ ایسی بہت سی چیزیں ملیں گی جن سے اُمید ہے کہ آپ کا دل بھی متاثر ہوگا، اور دماغ بھی۔ اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ ہی کو آپ کی نماز میں نورانیت اور رُوحانیت کی ترقی کا ذریعہ بنادے۔

اس کا کہنے والا تو اگرچہ ایک عامی آدمی ہے لیکن اس کے تمام مضامین کتاب و سنت اور عارفینِ اُمت، خاصکر امام غزالیؒ، شیخ ابن القیمؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تالیفات سے استفادہ کا نتیجہ ہیں۔ فلھم الفضل والمنة۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
رجب ۱۳۶۹ھ

ملنے کا پتہ :- "کتبخانہ الفرقان" :- گوئن روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ

نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کی حقیقت

دین میں نماز کا درجہ اللہ و رسول پر ایمان لانے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کے بعد سب سے پہلا اور سب سے اہم جو فریضہ بندہ پر اللہ کی طرف سے عائد کیا گیا ہے، وہ نماز ہے — قرآن مجید میں متعدد جگہ ایمان اور توحید کے بعد، اولین عملی فریضہ کی حیثیت سے نماز ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کے شروع ہی میں قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے والے گروہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ — وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں،

اور سورہ قیامہ میں ایمان نہ لانے والوں اور نماز نہ پڑھنے والوں کا جرم بھی اسی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے، یعنی اُن کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا جرم تو ایمان نہ لانا بتلایا گیا ہے، اور

اس کے بعد دوسرے درجے کا جرم نماز نہ پڑھنا قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى — نہ تو وہ ایمان لایا اور نہ اُس نے نماز پڑھی

اور سورۂ بیّنہ میں توحید کے بعد دعوتِ انبیاء کا دوسرا مطالبہ نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ؕ

اور نہیں حکم کیا گیا ان لوگوں کو سوا اسکے کچھ بھی کردہ عبادت کریں اللہ ہی کی خالص کرتے ہوئے اسی کے واسطے اطاعت بالکل یکسو ہو کر، اور قائم کریں نماز، اور ادا کریں زکوٰۃ۔

بہرحال جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبرِ برحق مان کر آپ کی دینی دعوت کو قبول کر لے، اسلام اُس کے سامنے سب سے پہلا اور سب سے اہم مطالبہ نماز ہی کا رکھتا ہے۔ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی یہی دستور تھا کہ اسلام میں ہر نئے داخل ہونے والے سے توحید کا اقرار لینے کے بعد آپؐ نماز کا عہد لیا کرتے تھے[1]

دین میں نماز کا یہ درجہ اور اُس کی یہ اہمیت، کوئی خالص حکمی بات اور ناقابلِ فہم قسم کا کوئی ایسا راز نہیں ہے جس پر بلا سمجھے بوجھے صرف ایمان ہی لایا جا سکتا ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر خود نماز ہی کی حقیقت پر غور کیا جائے تو کسی نہ کسی درجہ میں یہ بات سب کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دین میں نماز کا یہ درجہ اور یہ مقام کیوں ہے۔

---

[1] فتح الباری میں ہے (وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول مایشترط بعد التوحید اقامۃ الصلوٰۃ) ۱۲

نماز ایمان اور اسلامی زندگی کے درمیان کی کڑی ہے!

حقیقت یہ ہے کہ "کلمۂ طیبّہ" کی تصدیق کرنے، یعنی اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد، احکامِ الٰہی کے پابند ہو کر اور شریعتِ محمدیہ کا کامل اتباع کرتے ہوئے جس طرح کی اسلامی زندگی یعنی فرمانبرداری والی زندگی گزارنا ایک مومن کے لئے ضروری ہو جاتا ہے، نماز ہی اُس زندگی کو پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور گویا کہ وہی ---- ایمان ---- اور ---- اسلامی زندگی کے درمیان کی کڑی ہے، اور اسی لئے اس کا درجہ ایمان کے بعد اور باقی تمام دینی اعمال سے پہلے ہے ---- اگر ہم تمثیل کے طور پر ایمان کو بیج اور جڑ، اور دین کے باقی سارے عملی نظام کو درخت قرار دیں تو نماز کی حیثیت اس درخت کے تنہ کی ہوگی، جو خود اگرچہ بیج ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے اوپر والی تمام چھوٹی بڑی اور موٹی پتلی شاخیں اور سب پھول پتیاں اسی تنہ سے نکلتی ہیں اور اُسی پر قائم ہوتی ہیں۔

اس حقیقت کو ذرا وضاحت اور تفصیل سے سمجھنے کیلئے، اُمور ذیل پر غور کیجئے۔

کلمۂ طیبہ کی شہادت دے کر، اور اللہ و رسولؐ پر ایمان لا کر، ہم نے اقرار اور عہد کیا کہ اللہ ہی ہمارا الٰہ اور معبود و مولا ہے، لہٰذا ہم اسی کی عبادت و بندگی کرینگے، اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسولؐ ہیں لہٰذا ہم اُن کی لائی ہوئی شریعت پر چلیں گے اور اُن کے احکام مانیں گے۔ گویا ایمان لا کر ہم نے اپنے متعلق طے کر لیا کہ اب ہماری ساری زندگی اللہ کے احکام کے ماتحت اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق گذرے گی۔

لیکن عملاً اس طرح کی زندگی گذارنے کے لئے ہمارے واسطے ضروری ہے کہ ہمارے سامنے بار بار اس ایمانی معاہدہ کی تجدید اور یاددہانی اس طرح ہوتی رہے کہ اسی کے ساتھ اور اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اسکی شانِ جلالی و جمالی کا تصوّر بھی ہمارے لئے تازہ ہوتا رہا کرے تاکہ اُس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے خوف و خشیت کے وہ اعلیٰ جذبات پیدا ہوتے اور نشو و نما پاتے رہیں جو ہم کو اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور رضاجوئی کیلئے بیچین کرتے رہیں۔

پھر ان جذبات کے مطابق عمل کی مشق اور تربیت کا بھی کوئی نظام ہو، تاکہ یہ جذبات عمل کے قالب میں آکر اور عمل کی طاقت کو ساتھ لے کے عملی زندگی پر اپنا پورا اثر ڈال سکیں۔

پھر اسی کے ساتھ ساتھ قانونِ جزا و سزا اور روزِ حساب کی یاددہانی بھی ہوتی رہے۔

نیز اللہ تعالیٰ سے ہم اس "اسلامی زندگی" کی توفیق بھی بار بار مانگتے رہیں کہ اُس کی مدد و توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

پھر ہمارا ماحول بھی اس راہ میں ہمارے ساتھ کچھ سازگاری کرے کیونکہ انسان کی زندگی کی ساخت مقرر کرنے میں تمام دوسری خارجی چیزوں سے زیادہ اس کا ماحول موثر ہوتا ہے اور انسان سب سے زیادہ اپنے ماحول ہی سے اثر لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک ان چیزوں کا انتظام و اہتمام نہ ہو ہمارے آزادی خواہ اور سرکش نفس کے لئے مرضیاتِ الٰہیہ کے پابند اور شریعت کے ماتحت ہو کر زندگی گذارنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہے۔

اب آپ نماز کی حقیقت اور اس کے عناصر و اجزا، اور اُس کی ہیئتِ ترکیبی پر ذرا غور کیجئے اور دیکھئے کہ ایمان لانے کے بعد "اسلامی زندگی" گذارنے اور اُس کو آسان کرنے کے لئے جن محرکات اور جن انتظامات کی ہم کو ضرورت تھی (جن کی کچھ نشاندہی سطور بالا میں کی گئی ہے) ان سب کو نماز میں کیسی حکمتِ بالغہ کے ساتھ سمویا گیا ہے، اور نماز ان تمام چیزوں کا کیسا حیرت انگیز بلکہ معجز نما نسخۂ جامعہ ہے۔

ایمان کے بعد معصیت غفلت ہی سے ہوتی ہے اور نماز ازالۂ غفلت کی اعلیٰ تدبیر ہے

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو جاننے اور ماننے اور اُس سے اطاعت و بندگی کا عہد کرنے کے بعد بھی آدمی سے اس کی نافرمانی جو سرزد ہوتی ہے تو زیادہ تر اس کی وجہ غفلت ہی ہوتی ہے، اور شیطان انسان کی عقل و بصیرت پر غفلت و بدہوشی کا پردہ ڈال کر ہی اس پر چھاپا مارتا اور اس سے اللہ کی نافرمانی کراتا ہے، لیکن جیسے ہی اللہ کی سچی یاد اور اس کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کی یاد دہانی کے ذریعہ غفلت کے اس پردہ کو چاک کر دیا جائے تو خداشناس اور خداترس آدمی سنبھل جاتا ہے اور برائیوں سے اس کا قدم رُک جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فطرتِ انسانی کی اسی کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝

(سورۂ اعراف ع-۲۴)

بیشک جو لوگ ڈر رکھتے ہیں، جب انھیں کوئی شیطانی وسوسہ لگجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو یکایک اُنکی آنکھیں کھل جاتی ہیں (اور غفلت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے)۔

بہر حال یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ایمان کے بعد نافرمانی، عموماً غفلت ہی کے راستے سے آتی ہے اور نماز اس غفلت کا سب سے اچھا علاج ہے، کیونکہ وہ سراسر "یاد" ہے، بلکہ یادِ الٰہی ہی نماز کی غایت ہی۔ ارشادِ خداوندی ہی۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ) میری یاد کے لئے نماز قائم کر

نماز انسان کے تمام ظاہر و باطن کا ذکر ہی

پھر نماز نری زبانی یاد ہی نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "یاد" کا جو طریقہ، غفلت کے دُور کرنے اور محبت و شکر کے جذبات کو اُبھار کر آمادۂ اطاعت کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔ وہ نماز ہی ہے کیونکہ نماز میں قلب و زبان اور دوسرے تمام اعضاء بھی ایک خاص ترتیب اور تناسب کے ساتھ یادِ الٰہی اور مظاہرۂ عبودیت میں ہم آہنگ ہو کر حصہ لیتے ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں اپنا اپنا وظیفہ ادا کرتے ہیں۔ قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا دھیان ہوتا ہے پھر اسی کے مطابق زبان اس کی تسبیح و تقدیس، اور تحمید و تمجید میں مصروف ہوتی ہے، اور سارا جسم سر سے پاؤں تک ذکر و عبادت اور نیاز و عبودیت کی تصویر بنا ہوتا ہے۔ کبھی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھک جاتا ہے، اور کبھی سجدے میں گر کے اپنی بندگی و نیازمندی کا آخری مظاہرہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں۔

نماز کے اصل عناصر تین ہیں۔ ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لاانتہا عظمت و جلال کے دھیان سے سرفگندہ ہو، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سرافگندگی کو بہتر سے بہتر

الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے، اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لئے استعمال کرے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۷)

نماز غفلت کا علاج اور معصیات سے بچاؤ کا سامان کیونکر ہے؟

ظاہر ہے کہ نماز کی شکل میں جب اللہ کا ذکر اور اس کے سامنے عاجزی اور نیازمندی کا مظاہرہ اتنا ہمہ گیر اور اتنا کامل ہوگا اور انسان کے تمام ظاہر و باطن پر اس کی چوٹ پڑے گی یعنی اس کا دل اور اس کی زبان اور اس کے تمام ظاہری اعضاء سب یکساں طور پر اس میں شریک اور اس سے متاثر ہونگے، اور پھر دن رات میں کئی کئی بار اس عمل اور اس وظیفے کا اعادہ ہوگا تو غفلت اس کے مقابلے میں کہاں تک ٹھہر سکے گی، اور انسان سے معصیات اور فواحش و منکرات کا صدور کیونکر ہوگا۔ نماز کی یہی وہ تاثیر ہے، جس کو قرآن مجید کی اس مشہور آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ (سورۂ عنکبوت۔ ع۔۵)

بیشک نماز بیحیائی کی باتوں اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

"وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" کے الفاظ نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ نماز میں فحش و منکر سے روکنے کی تاثیر کا راز یہ ہے کہ وہ سراسر اللہ کی "یاد" ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تاثیر اُنھیں نمازوں میں ہو گی جن میں "ذکر" اور "یاد" کی صفت کامل طور پر پائی جاوے گی۔ پس آج کل عام طور سے جس طرح غفلت کیساتھ نمازیں

پڑھی جاتی ہیں کہ بسا اوقات پڑھنے والوں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ انھوں نے اپنی نمازوں میں اپنے رب سے کیا کہا اور کیا مانگا ــــــ سو شعور و حضور سے خالی ایسی نمازوں سے اگر تقوے والی زندگی پیدا نہیں ہوتی اور بری عادتیں اور بری باتیں نہیں چھوٹتیں تو اس میں نماز کا کیا قصور ہے۔ جس دانے میں جان اور مغز ہی نہ ہو اُس سے درخت کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ سہ

ذوق باید تا دہد طاعات بر   مغز باید تا دہد دانہ شجر

ابن ابی حاتم وغیرہ نے عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (من لم تنھہ صلوتہ عن الفحشاء والمنکر فلا صلوۃ لہ) یعنی جس شخص کی نماز نے اس کو بداخلاقیوں اور برائیوں سے نہ روکا اُس کی نماز گویا نماز ہی نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ سورۂ عنکبوت) ۱۲

بہرحال نماز کی یہ تاثیر جب ہی ظاہر ہو سکتی ہے کہ نماز غفلت والی نماز نہ ہو بلکہ سراسر ذکر ہو، جسم و زبان کا بھی ذکر ہو اور دل کا بھی ذکر ہو۔

الغرض اللہ و رسولؐ کی اطاعت والی زندگی پیدا کرنے میں نماز کی تاثیر کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ نماز ذکر ہے، اور انسان کے پورے ظاہر و باطن کا ذکر ہے اور ذکر غفلت کو دل سے ہانکتا اور اطاعت و بندگی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

نماز روزِ حساب کی یاد دہانی بھی ہے

اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ نماز روزِ قیامت اور حساب کتاب کی یاد دہانی بھی ہے، کیونکہ نماز میں ہر رکعت میں بار بار "مالک یوم الدین" اور "الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" پڑھتے وقت اللہ کے

قانون جزا و سزا اور روزِ حساب کی یاددہانی بھی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ غفلت سے چونکانے کے لئے یہ کتنی مؤثر چیز ہے۔

اللہ کی محبّت و اطاعت کے جذبات پیدا کرنے میں نماز کا خاص حصّہ

مزید براں یہ کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بار بار تذکار اور اُس کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید کی تکرار کی جو خاص ترتیب رکھی گئی ہے اور اسی کے مطابق ظاہری اعضاء سے جو جو عمل کرائے جاتے ہیں مثلاً پہلے قیام، پھر رکوع اور پھر قومہ پھر سجدہ اور پھر جلسہ پھر مکرر سجدہ سو ان اعمال کو جس طرح ایک خاص ارتقائی ترتیب کے ساتھ پرویا گیا ہے اور ہر موقع اور ہر حالیت کے لئے اس کے مناسب جو خاص خاص اذکار مقرر کئے گئے ہیں (جس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئیگی) سو یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا کسی کو کچھ بھی ادراک بخشدے، تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان اذکار کے ساتھ اس خاص ترتیب سے قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اللہ کی محبّت اور شکر و اطاعت کے جذبات پیدا کرنے اور قلب و ضمیر کے رجحانات کو درست کر کے زندگی کا رُخ صلاح و تقویٰ کی طرف پھیر دینے کا کتنا سامان ہے۔

جملہ حالاتِ زندگی پر نماز کا احاطہ

یہ انسان اپنی پوری زندگی میں جن جن حالات میں رہتا ہے، مثلاً کھڑا ہونا، بیٹھنا، جھکنا، لیٹنا، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ادر

متحرک ہونا (یہی انسان کی وہ چند حالتیں ہیں جن میں عام طور سے اسکی زندگی گزرتی ہے) سو نماز میں ان تمام حالات کو جمع کر دیا گیا ہے اور ہر حال میں اللہ کی یاد اور اسکی عظمت و کبریائی کے دھیان اور اس کی اطاعت و بندگی کی مشق ایسے انداز سے اور ایسی ترتیب کے ساتھ کرائی جاتی ہے کہ اگر یہ شعور و حضور کے ساتھ ہو (جیسا کہ چاہیئے) تو نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی جب آدمی ان حالات میں ہو (یعنی کھڑا ہو، بیٹھا ہو، جھکا ہو، لیٹا ہو، چل پھر رہا ہو، یا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہو رہا ہو) تو اللہ کی یاد اور اس کے دھیان اور اُسکے احکام کی اطاعت سے غافل اور خالی الذہن نہ رہے ——— الغرض ہر حال میں اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت و بندگی کے احساس کو پیدا کرنے اور زندگی کو اسی کے مطابق چلانے میں نماز کی تاثیر کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے گویا اس طور پر نماز ہی سے دوام ذکر والی وہ زندگی بھی وجود میں آتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ط	وہ بندے جو اللہ کی یاد کرتے اور اُس کو یاد رکھتے ہیں، کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے بھی۔
(آل عمران - ع - ۲۰)	

جملہ احکامِ شریعت کو نماز کی جامعیت

پھر اسی طرح کی ایک خصوصیت نماز کی یہ بھی ہے کہ اس میں دین کے تمام مثبت اور منفی احکام (جملہ اوامر و نواہی) کو جمع کر دیا گیا ہے، گویا

جس طرح سورۂ فاتحہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بالاجمال تمام قرآنی معارف و مطالب کی جامع ہے، اسی طرح پورے دین اور ساری شریعت کو ایک خاص طریقے سے نماز میں سمیٹ دیا گیا ہے، اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ایک مختصر اور محدود دائرے میں تمام احکام الٰہیہ کی تعمیل کی مشق ایک طرح سے ہر ہر نماز میں ہوتی رہتی ہے۔

مثلاً ہر نماز کے شروع ہی میں (ثنا میں) توحید کی شہادت دے کے اور آخر میں (تشہد میں) توحید اور رسالت دونوں کی شہادت ادا کرکے، ایمان کی تجدید کی جاتی ہے۔ ہر رکعت میں کم از کم سورۂ فاتحہ پڑھ کے (جو پورے قرآن حکیم کا خلاصہ ہے) قرآن مجید پر ایمان کی تجدید ہوتی ہے اور اس سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

بار بار اللہ کی یاد اور اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس دل و زبان سے کی جاتی ہے اور جوارح سے بھی اس کی معبودیت اور اپنی عبدیت و عبودیت کی شہادت دی جاتی ہے۔ نیز محبت و حق شناسی اور احسانمندی کے جذبے کے ماتحت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجی جاتی ہے۔ اللہ کے تمام صالح بندوں کے لئے دعا خیر کی جاتی ہے، اپنے گناہوں سے معافی مانگی جاتی ہے اور قہر و عذاب سے بچنے اور آغوشِ رحمت میں جگہ پانے کی دُعا و التجا کی جاتی ہے، یہ سب ہی چیزیں نماز میں شامل ہیں۔

علیٰ ہذا قبلہ رو کھڑا ہونا اور قبلہ ہی کی طرف کو رکوع و سجود کرنا حج کی یادگار ہے، جو نماز کے شرائط میں سے ہے۔

اسی طرح کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت، جو روزہ کا خاصہ ہے، نماز میں بھی شرط ہے۔

ایسے ہی نماز کے اوقات میں اپنے کاروبار اور کسب معاش کے سلسلہ کو

بند کرکے، نمازی جو مالی نقصان برداشت کرتا ہے وہ نماز میں مالی قربانی اور مالی عبادات (زکوٰۃ و صدقات) کا حصّہ ہے۔

پھر اسی طرح جماعت میں سب کے ساتھ کھڑا ہونا، اور دینی حیثیت سے جو شخص بزرگ تر ہو اس کو امام بنا کر اُس کی کامل اقتدار کرنا، اجتماعی زندگی کے متعلق دین کے اہم احکام اخوت، مساوات، اور بڑوں کی توقیر اور اطاعت فی المعروف وغیرہ کی تعمیل اور مشق ہے جو ہر نماز میں ہوتی ہے۔

یہ تو نماز میں دین کے مختلف شعبوں کے متعلق مثبت احکام یعنی اوامر کا حصّہ ہوا، اور بالکل یہی حال اس کے منفی احکام یعنی نواہی کا ہے کہ جس قدر بھی معصیات، محرمات، یا مکروہات ہیں، نماز کی حالت میں اُن سے بالکل ہی اجتناب کرنا پڑتا ہے ظاہر ہے کہ نمازی بہ حالتِ نماز نہ جھوٹ بول سکتا ہے، نہ کسی کی غیبت کر سکتا ہے نہ کسی قسم کی بیحیائی اور بیہودگی کا مرتکب ہو سکتا ہے وقس علےٰ ھذا! — بہر حال نماز اس خاص حیثیت سے پوری شریعت پر عمل کا ایک ٹریننگ کورس بھی ہے، اور زندگی کو اللہ کی بندگی و اطاعت اور اتباع شریعت والی زندگی بنانے میں نماز کی تاثیر کا یہ ایک مستقل پہلو ہے۔

نماز میں اسلامی زندگی کی دُعا اور انسانی ضمیر پر اُس کا طبعی اثر

پھر ہر نماز اور اُس کی ہر رکعت میں "اھدنا الصراط المستقیم" سے لیکر "ولا الضالین" تک اللہ کے پسندیدہ اور اُسی کے مقرر کئے ہوئے طریقۂ زندگی — یعنی پوری اسلامی زندگی — کی

جو دُعا کی جاتی ہے وہ ایک طرف تو اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا ہے اور دوسری طرف بار بار اپنی زبان سے اس کو دہرانے اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے اس کو مانگنے سے خود اپنے اندر بھی اصلاح کی کوشش کا داعیہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ انسان جس چیز کو ہر دن میں دسیوں بیسیوں دفعہ اللہ تعالےٰ سے مانگے، ہو نہیں سکتا کہ اس کے لئے کوشش کا تقاضا خود اس کے ضمیر میں پیدا نہ ہو۔ بہر حال نمازوں میں صراط مستقیم کی جو دُعا بار بار کی جاتی ہے، زندگی کو اسلامی بنانے میں اُس کا اثر دو طرح سے اور دو طرف سے پڑتا ہے۔

نظامِ جماعت کے ذریعہ نماز کی ان تاثیرات کی مزید تقویت!

پھر جب نظامِ جماعت کے ذریعہ ایک سازگار ماحول بھی تیار کر دیا جائے اور دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے بہت سے بندے مل کر اور صفوں میں شانہ بشانہ کھڑے ہو کر غفلت و بے خبری والی محض رسمی نہیں، بلکہ شعور و حضور والی حقیقی نمازیں ادا کیا کریں تو مذکورۂ بالا تاثیرات جتنی تیز تر اور قوی تر ہو سکتی ہیں، انسانی فطرت اور اُس کی نفسیات سے واقفیت رکھنے والوں کے لئے اس کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔[۱]

آجکل کی نمازیں ان تاثیرات سے کیوں خالی ہیں

[۱] نماز کی جن تاثیرات اور سیرت کو اسلامی بنانے میں اس کی جن کارفرمائیوں کا ذکر یہاں تک کیا گیا ہے، اگر کسی ناظر کے دل میں (بقیہ صفحہ پر)

سیرت سازی کے بارے میں نماز کی تاثیرات اور اس کی کارفرمائیوں کے جو چند پہلو سطور بالا میں ذکر کئے گئے انھیں پر غور کرنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان ہم سے، اللہ کی اطاعت اور اتباع شریعت والی جس زندگی کا مطالبہ کرتا ہے اس کے پیدا کرنے اور سیرت کو اسلامی بنانے میں نماز کتنی مؤثر اور کس قدر کارفرما ہے۔

بہرحال نماز کی حیثیت دین کے حکموں میں سے صرف ایک حکم ہی کی نہیں ہے بلکہ عبادت الٰہی کا یہ وہ خاص نصاب ہے جو پوری اسلامی زندگی کی تخلیق کرتا ہے، اور پھر اس کی نشو ونما کے لئے تازہ تازہ خونِ حیات پیدا کر کے اس کی رگوں میں دوڑاتا رہتا ہے۔ الغرض جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ ایمان اور باقی عملی شریعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اس پر یہ سوال پیدا ہو کہ ہم تو ہزاروں ایسے نمازیوں کو دیکھتے ہیں جنکی نمازوں نے انکی زندگیوں پر اس قسم کا کوئی بھی اثر نہیں ڈالا اور برسہا برس سے نمازیں پڑھنے کے باوجود انکی سیرتیں "اسلامی سیرتیں" نہیں بنیں۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو بالاجمال پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم نے جن نمازوں کی تاثیر کا ذکر کیا ہے وہ شعور وحضور اور خشوع وخضوع والی حقیقی نمازیں ہیں، اور بلاشبہ ان میں آج بھی یہی تاثیر ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ فی زمانہ ہزاروں نماز پڑھنے والوں میں مشکل سے اللہ کے ایک دو بندوں کی نماز شعور وحضور والی حقیقی نماز ہوتی ہے جو "معراج المومنین" کا مصداق ہوتی ہے، ورنہ عام طور سے ہماری نمازیں غفلت اور بے خبری والی بے رُوح نمازیں ہیں، پھر وہ زندگی کے قالب میں اسلامی رُوح کیونکر پھونک سکتی ہیں۔ قرآن مجید نے بھی تو "فلاح" کا ثمرہ پیدا ہونے کے لئے خشوع والی نماز کی شرط لگائی ہے۔ ۱۲

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون ۝

کے درمیان کی اہم کڑی ہے۔ بالفاظ دیگر وہی گویا باقی اسلامی زندگی کے لئے منبع و سرچشمہ اور اساس و بنیاد ہے، یا ہماری پہلی تمثیل کے مطابق "شجرۂ اسلام" کا وہ تنہ ہے جس سے اس شجرۂ مقدسہ کی تمام شاخیں اور پھول پتیاں نکلتی ہیں اور اسی پر قائم ہوتی ہیں۔

دین میں نماز کا امتیازی مقام، اور قرآن و حدیث کی تصریحات!

اگر نماز کی یہ امتیازی حیثیت آپ نے سمجھ لی ہے تو پھر اس حقیقت کا سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو گا کہ دین میں نماز کی اتنی اہمیت اور اس قدر تاکید کیوں ہے کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ[1] کی تحقیق و تفتیش کے مطابق قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے صراحۃً اور اشارۃً قریباً سات سو جگہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز ان آیات اور احادیث کی حقیقت بھی آپ پر منکشف ہو جائے گی جن میں نماز کو دین یا دین کی اصل و اساس کہا گیا ہے، اور نماز نہ پڑھنے کو کفر یا دین سے خروج اور دولتِ اسلام سے محرومی قرار دیا گیا ہے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ (وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ) میں اکثر مفسرین کے نزدیک نماز ہی کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

---

[1] خود میری نظر سے تو نہیں گذرا لیکن اپنے بعض بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ نے اپنے کسی رسالے میں لکھا ہے کہ نماز کی اہمیت اور فضیلت قرآن مجید میں مختلف عنوانات سے، کہیں اشارۃً اور کہیں صراحۃً قریباً سات سو جگہ ذکر کی گئی ہے، اور ننانوے آیتیں تو نماز کی ترغیب و تاکید اور اس کی فضیلت و اہمیت کے متعلق مولانا محمد عبد الشکور صاحب لکھنوی، مدظلہ نے بھی اپنے رسالے "کتاب الصلوٰۃ" میں جمع کر دی ہیں۔ ۱۲ منہ

اور "سورۂ روم" کی ایک آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی اہلِ ایمان سے کٹ کر مشرکوں سے جڑ جاتا ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ

اور "سورۂ مرسلٰت" کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے متعلق احکام الٰہیہ کی تعمیل نہ کرنے والے یعنی نمازیں نہ پڑھنے والے، گویا مومنین کے زمرے میں نہیں ہیں بلکہ منکرین اور مکذبین میں سے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ۝ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝ (سورۂ مرسلٰت - ع - ۲)

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کیلئے جھکو (یعنی نماز پڑھو) تو وہ نہیں جھکتے ہیں، اُس دن (یعنی بروزِ قیامت) ان مکذبین کیلئے بڑی خرابی ہوگی۔

اور انھیں آیات کے مضامین کی ترجمانی کی گئی ہے، ان احادیث میں جن میں ترکِ نماز کو کفر یا کفر تک پہنچانے والا گناہ بتلایا گیا ہے، مثلاً حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

بین العبد وبین الکفر ترک الصّلوٰۃ (رواہ مسلم - مشکوٰۃ)

بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے (یعنی بندہ اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر کی سرحد سے جا ملے گا)

اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سات باتوں کی وصیت فرمائی جن میں سب سے پہلی اور سب سے اہم دو باتیں یہ تھیں کہ

لا تشرکوا باللہ وان قطعتم اوحرقتم ولا تترکوا الصلوٰۃ متعمدین فمن ترکھا متعمداً فقد خرج

اللہ کیساتھ کبھی شرک نہ کرو اگرچہ تمھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں بھون دیا جائے، اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے

من الملۃ (رواہ الطبرانی ومحمد بن نصر فی کتاب الصلوٰۃ باسنادین لاباس بہما۔ الترغیب للمنذری)

قصداً نماز ترک کی وہ ملت سے نکل گیا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا

لاسہم فی الاسلام لمن لاصلوٰۃ لہ (رواہ البزار۔ الدر المنثور)

اسلام میں اُس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہو۔

احادیث میں ترک نماز کو کفر قرار دیئے جانے کا منشاء!

تو ان احادیث کا منشا یہی ہے کہ نماز چونکہ دین کے درخت کا تنہ اور "حیاتِ اسلامی" کا سرچشمہ ہے، اور اسی سے اللہ کی اطاعت و بندگی والی وہ زندگی پیدا ہوتی اور نشو و نما پاتی ہے جس کا نام "اسلام" ہے۔ اس لئے نماز نہ پڑھنے والا انسان "اسلامی زندگی" سے محروم رہتا ہے اور اس کی زندگی کافرانہ زندگی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ ایک حدیث سے (جس کو حافظ سیوطی نے "درمنثور" میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے) یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

لادین لمن لاصلوٰۃ لہ انما موضع الصلوٰۃ من الدین موضع الراس من الجسد ۔

نماز کے بغیر دین نہیں، دین میں نماز کا درجہ وہی ہے جو جسمِ انسانی میں سر کا درجہ ہے۔

یعنی جس طرح انسان کی تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کا مرکز اور منبع سر ہے، اور اگر اس کو تن سے جدا کر دیا جائے تو باقی جسم ایک بے جان لاشہ رہ جاتا ہے جس کو

"انسان" نہیں کہا جا سکتا، تو بعینہٖ یہی حیثیت نظامِ دینی میں نماز کی ہے، وہی پوری دینی زندگی کے لئے سرچشمہ ہے۔ لہٰذا جب وہ نہ ہوگی تو دینی زندگی بھی موجود نہ ہو سکے گی۔

پورے نظامِ دینی میں نماز کی یہ جو امتیازی حیثیت ہے صحابۂ کرام رضؓ نے اس کو خوب سمجھا تھا، اسی کی بنیاد پر حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسلامی قلمرو کے تمام عمّال (صوبوں کے افسرانِ اعلیٰ) کو ایک خاص گشتی فرمان میں لکھا تھا۔

ان اهمّ امورکم عندی الصلٰوة من حفظها او حافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع۔

(موطا امام مالک)

تمہارے تمام کاموں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ مہتم بالشان کام نماز ہے جس نے نماز کی کما حقہ حفاظت کی اُس نے اپنے پورے دین کی حفاظت کرلی، اور جسنے نماز کو ضائع کیا تو وہ دین کے دوسرے کاموں کو اور زیادہ برباد کرے گا۔

نماز پوری دینی زندگی کیلئے میزان اور معیار ہے

حضرت فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز ہی پوری دینی زندگی کو جانچنے کے لئے میزان اور معیار بھی ہے کہ جس شخص کی نماز جتنی اعلیٰ ہوگی اُس کی باقی دینی زندگی بھی اُسی قدر بہتر ہوگی، اور جو شخص نماز میں جتنا کوتاہ اور ناقص الحال ہوگا اُس کی بقیہ دینی زندگی میں بھی اُسی کے بقدر نقصان ہوگا۔

قیامت میں بھی نماز ہی کو میزان بنایا جائے گا!

اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک حدیث سے بڑی صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی نمازوں ہی کو میزان اور معیار بنا کے "زندگی" کے امتحان میں آدمیوں کی کامیابی یا ناکامیابی کا فیصلہ کیا جائیگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا

ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ من عملہ الصلوٰۃ فان صلحت فقد افلح وانجح وان فسدت خاب وخسر (رواہ الترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ والحاکم وصححہ کذا فی الدر المنثور)

قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کی جانچ کی جائے گی، اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ کامیاب اور بامراد ہوگا، اور اگر اس کی نمازیں خراب نکلیں تو نامراد اور خسارے میں رہے گا۔

اور اس سے زیادہ واضح اور ہمارے مقصد کے لئے زیادہ صریح روایت عبداللہ بن قرط کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ الصلوٰۃ فان صلحت صلح سائر عملہ وان فسدت فسد سائر عملہ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ الترغیب)

قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کی نماز کی جانچ کی جائیگی، اگر وہ اچھی اور پوری اتری تو باقی اعمال بھی پورے اُتریں گے، اور اگر وہ خراب نکل گئی تو باقی اعمال بھی خراب اور نکمّے نکلیں گے۔

گویا قیامت میں آدمی کی نماز اُس کی پوری دینی زندگی کا نمونہ (بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں اُس کی پوری زندگی کا مقیاس اور مراۃ (آئینہ) ہوگی —— اور ہونا بھی یہی چاہئے، کیونکہ جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نماز ہی پوری دینی زندگی کو پیدا کرتی اور اس کی رگوں میں خونِ حیات دوڑا کے اس کو نشو ونما دیتی ہے تو ہر شخص کی نماز کا اس کی پوری دینی زندگی کے لئے معیار اور میزان ہونا بالکل قرینِ عقل وقیاس ہے۔

اور اس مادی دنیا میں، بلکہ خود ہمارے وجود میں اس کی نظیر یہ موجود ہے کہ

حاذق طبیب صرف نبض کے ذریعے قلب کی قوت کا اندازہ کر کے (جو انسانی قوتوں کا مرکز اور منبع ہے) انسان کے پورے نظامِ جسمانی کی قوت اور کمزوری کا درجہ دریافت کر لیتا ہے۔ پس اسی طرح قیامت میں ہر شخص کی نماز کے کمال و نقصان سے اُس کی پوری دینی زندگی کا کمال و نقصان معلوم کیا جائے گا۔

پس جو لوگ اپنے کو مسلمان کہنے کے باوجود سرے سے نمازیں پڑھتے ہی نہیں ہیں ان احادیث کی روشنی میں وہ غور کریں کہ اُن کا انجام کیا ہوگا؟ ------ ہاں اس غور و فکر کے وقت وہ ایک اور حدیث بھی پیشِ نظر رکھیں جو مسند احمد وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضؓ سے مروی ہے کہ

انہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الصلوٰۃ یوماً فقال من حافظ علیہا کانت لہ نوراً و برہاناً و نجاۃ یوم القیمۃ ومن لم یحافظ علیہا لم تکن لہ نوراً ولا برہاناً ولا نجاۃ وکان یوم القیمۃ مع قارون وفرعون وھامان وابی ابن خلف۔

رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان۔

(مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پر کلام فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی نماز کو اہتمام سے ادا کریگا تو نماز اُسکے واسطے قیامت میں نور ہوگی، برہان ہوگی، اور بالآخر ذریعۂ نجات بنے گی، اور جو کوئی اس کو اہتمام سے ادا نہیں کریگا تو اُس کے واسطے نہ نور بنے گی نہ برہان اور نہ ذریعۂ نجات، اور وہ شخص قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور (مشرکین مکہ کے سرغنہ) ابی بن خلف کیساتھ ہوگا (معاذ اللہ)۔

نماز کے بارے میں یہاں تک جو آیات و احادیث مذکور ہوئیں وہ سب وعید و تہدید کے باب کی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک آیت اور ایک حدیث اور جماعت صحابہ رضؓ

کی ایک متفقہ رائے اور نقل کرکے ایک حد تک اس مضمون کی تکمیل ہی کردیجائے۔

روزِ قیامت کا ایک عجیب منظر

سورۂ قلم کی ایک آیت میں، آخرت کے ایک عجیب اور عبرتناک منظر کا نقشہ بڑے مؤثر اور بلیغ انداز میں کھینچا گیا ہے۔ اس عاجز کے خیال میں نماز کی اہمیت کے متعلق قرآن مجید کی وہی سب سے زیادہ مؤثر آیت ہے، ارشاد ہے۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
خَاشِعَۃً اَبْصَارُھُمْ تَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ط وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ
اِلَی السُّجُوْدِ وَھُمْ سَالِمُوْنَ ۞ (ن والقلم - ع - ۲)

اس آیت کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ "قیامت کے دن جبکہ نہایت سخت گھڑی ہوگی اور ربّ العزّت کی ایک خاص تجلّی (تجلّیٔ ساق) ظاہر ہوگی، اور لوگوں کو سربسجود ہوجانے کو کہا جائے گا تو اللہ کے جو بندے دنیا میں اُس کے حضور سجدہ ریز ہوا کرتے تھے (یعنی نمازیں پڑھا کرتے تھے) وہ تو فوراً سربسجود ہوجائیں گے، لیکن جو لوگ دنیا میں ہر طرح کی صحت اور توانائی کے باوجود نمازیں نہیں پڑھتے تھے اور نماز کیلئے دعوت دینے والوں اور پکارنے والوں کی بات نہیں سنتے اور نہیں مانتے تھے وہ ہر چند چاہیں گے کہ کسی طرح سجدہ کرسکیں لیکن اس وقت اُن کی کمریں تختے کی مانند کردی جائیں گی اور وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔ اس وقت ذلّت وخواری کا عذاب اُن پر چھاجائے گا اور اُن کی نگاہیں زمین میں گڑی ہوں گی۔

اللہ نے جنہیں عقل وسمجھ کا کوئی حصّہ دیا ہے وہ بار بار غور کریں کہ نمازیں نہ پڑھنے والوں کو جہنم کے عذاب سے پہلے سرِ محشر ذلّت ورسوائی کا یہ کتنا بڑا عذاب ہوگا اور

اس وقت اُن کے دلوں پر کیا گذرے گی۔ ربنا لا تخزنا یوم القیمۃ۔

مؤذن کی پکار سُنکر بھی نماز کو نہ اُٹھنا ظلم اور کفر و نفاق ہے!

نماز کی دعوت اور پکار یعنی اذان کو جو لوگ سُنتے ہیں اور اُس پر لبیک نہیں کہتے (یعنی نماز نہیں پڑھتے) اُن کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلوٰۃ فلا یجیبہ۔

(رواہ احمد والطبرانی۔ الترغیب)

ظلم اور سراسر ظلم اور کفر اور نفاق ہے اُس شخص کا فعل جو نماز کے لئے اللہ کے منادی (مؤذن) کا بلاوا سُنے اور اُس کو قبول نہ کرے (یعنے نماز کو نہ جائے)۔

ترکِ نماز کے متعلق صحابۂ کرام کی عام رائے

ترکِ صلوٰۃ کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عام رائے یہی تھی کہ یہ عمل اسلام کے منافی اور بالکل کافرانہ عمل ہے۔

عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے، کہ

کان اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفرٌ غیر الصلوٰۃ۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحبت یافتہ اہلِ ایمان، نماز کے سوا کسی اور دینی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

دین میں نماز کا جو خاص درجہ اور امتیازی مقام ہے اور اللہ کے حکموں پر چلانے اور برائیوں سے روکنے کی بالفاظِ دگر پوری اسلامی زندگی کو پیدا کرنے اور نشوونما دینے کی اُس میں جو خاصیت ہے (جس کی وضاحت صفحاتِ ماسبق میں کی جا چکی ہے) اگر

آپ نے اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ذہن نشین کر لیا ہے تو مذکورہ صدر تمام ترہیبی وتہدیدی احادیث و آثار کی حقیقت کا سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو گا ——— اور علیٰ ہذا نماز اور اس کو اچھی طرح ادا کرنے والوں کے متعلق جو حیات بخش بشارتیں قرآن یا حدیث میں وارد ہوئی ہیں اُن کا منشا بھی آپ صحیح طور سے سمجھ سکیں گے۔

مثلاً سورۂ اعلیٰ میں فرمایا گیا ہے، کہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (سورۃ الاعلیٰ)

کامیاب و بامراد ہوا وہ جو کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہوا اور اُس نے اپنے رب کا نام یاد کر کے نماز پڑھی۔

فلاح ونجات کیلئے ایمان کے بعد صرف نماز کی شرط لگانے کا منشاء

پس اس آیت میں اور اسکے علاوہ بھی بعض اور آیات میں صرف ایمان اور نماز کو جو فلاح و نجات کا نصاب بتلایا گیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کے لئے پوری "اسلامی زندگی" لازم ہے، گویا دین کا یہ مسلمہ ہے کہ جب آدمی حقیقی قسم کی نماز پڑھے گا تو دین کے تمام دوسرے مطالبات کو ضرور ہی ادا کرے گا، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شعور و حضور والی نماز بھی ہو اور اس کے ساتھ فسق و فجور بھی زندگی کا مشغلہ ہو (ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر) نماز پڑھنے والے سے اگر لغزش بشری کے طور پر گناہ کا ارتکاب بھی ہو گا تو نماز میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا غفلت سوز تصور اور اُس کے قہر و جلال کا بار بار خیال اور دھیان اور اس سے پیدا ہونے والا سوز و گداز اور توبہ و استغفار اُس کے داغ دھبّے تک کو مٹا دیں گے، بلکہ عجب نہیں کہ یہ احساسات اسکی ترقیٔ درجات کا مستقل ذریعہ بنجائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

نماز سے گناہوں کی ناپاکی دھلجانے کا راز

اور غالباً یہی منشا اور یہی مطلب ہے ان احادیث کا جن میں نمازوں کو (حقیقی اور سچی نمازوں کو) گناہوں سے صفائی اور مغفرت و معافی کا ذریعہ تبلایا گیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

ارأیتم لوان نھراً بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمساً ھل یبقٰے من درنہ شیئٌ قالوا لا یبقی من درنہ شیئ قال فذالک مثل الصلوٰت الخمس یمحوا اللہ بھن الخطایا۔ (مشکوٰۃ)

بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو، جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اُس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ انکے ذریعے سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے، کہ

ان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم خرج زمن الشتاء والورق یتھافت فاخذ بغصنین من شجرۃ قال فجعل ذالک الورق یتھافت قال فقال یا اباذر قلت لبیّک یا رسول اللہ قال انّ العبد المسلم لیصلّی الصّلوۃ یرید بھا وجہ اللہ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دن سردی کے ایام میں (جو خزاں کا موسم ہوتا ہے) باہر نکلے، اور درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے، آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اُسکے پتے جھڑنے لگے۔ پھر آنحضرت صلعم نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیے!

فتھافت عنہ ذنوبہ کما تھافت ھذا الورق عن ھذہ الشجرۃ۔
رواہ احمد (مشکوٰۃ)

آپؐ نے فرمایا! بلاشبہ بندہ مومن جب خالص اللہ کیلئے نماز پڑھتا ہے تو اُسکے گناہ ان پتوں کیطرح جھڑ جاتے ہیں۔

بہرحال نماز اعلیٰ درجے کی عبادت اور قرب خداوندی کا بلند ترین زینہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں اور گندگیوں کی تطہیر اور پوری اسلامی زندگی کی تعمیر کا ایک عجیب و غریب نسخہ جامعہ بھی ہے۔ بقول سیدنا فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) وہ دین کا ایسا قلب ہے کہ جو اُس کو سنبھال لے گا، وہ اپنے پورے دین کو سنبھال لے گا اور جو اس کو ضائع کرے گا اس کا باقی دین بھی برباد ہو گا۔

نماز کی اہمیت حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاؑ کی نظر میں!

نماز کی یہی وہ بلندیاں اور یہی وہ تاثیرات ہیں، جن کی وجہ سے سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ

میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسل میں سے بھی۔

اور اقامتِ صلوٰۃ ہی کے مقصدِ عظیم کے لئے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین میں بسانا آپ نے گوارا کیا۔ قرآن مجید میں اُن کی یہ عرضداشت محفوظ ہے۔

رَبِّ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ

میرے پروردگار! میں نے اپنی کچھ نسل تیرے معظم و محترم

غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ
گھر کے نزدیک بن کھیتی والی وادی میں بسادی ہے، لے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نمازیں قائم کریں۔

اللہ اللہ! حضرت خلیلؑ کو اپنی نسل کا نمازوں سے وابستہ رہنا اور نمازیں قائم کرنا کتنا عزیز ہے، کہ اس غرض کے لئے اپنے بیوی بچے کو بیت اللہ کے پاس ایک بے آب و گیاہ وادی میں بساتے ہیں۔

اور ایک حضرت خلیلؑ ہی پر منحصر نہیں، اللہ کے سارے ہی پیغمبروں کو نماز اسی قدر عزیز اور محبوب تھی اور سب ہی نے اپنی اپنی امتوں کو نماز کی دعوت دی پھر قرآن مجید ہی کا بیان ہے کہ بعد میں پیدا ہونے والے ان کے نالائق اخلاف نے نمازوں سے بے تعلقی اور بے پروائی اختیار کی اور انھیں کھویا اور اپنی نفسانی خواہشات کے وہ غلام بن گئے۔

نماز کھونے ہی کی وجہ سے اگلی اُمتوں میں فساد آیا!

سورۂ مریم میں تمام مشاہیر انبیاء و رسُل کا نماز کے ساتھ شغف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ (سورۂ مریم - ع - ۴)
پھر پیدا ہوئے اُن کے بعد ایسے ناخلف جنھوں نے کھویا اور برباد کیا نماز کو اور غلام ہوگئے نفسانی خواہشات کے، سو یہ عنقریب دیکھیں گے خرابی۔

اس آیت میں بھی نماز کی اس تاثیر کی طرف کیا صاف اشارہ ہے کہ وہ شہوات و منکرات سے آدمی کی حفاظت کرتی اور صلاح و تقوے کی راہ پر اُس کو ثابت قدم رکھتی ہے، اور اس کو کھو دینے (بالکل نہ پڑھنے یا اچھی طرح نہ پڑھنے) کی وجہ سے آدمی

شہوات کا بندہ بن جاتا ہے اور بالآخر تباہی و بربادی کے گڑھے میں گرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ گویا اُمتوں کا صلاح و فساد بڑی حد تک نمازوں کے قائم کرنے اور ان کو ضائع کر دینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اپنی اُمت کو رسول اللہ صلعم کی آخری وصیت

غالباً یہی وہ راز اور اگلی امتوں کی تاریخ کا یہی وہ سبق تھا جس کے پیش نظر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس دنیا سے جاتے جاتے، بار بار اُمت کو نماز کی وصیت اور تاکید فرمائی[1]۔ یہاں تک کہ ایک صحیح روایت کے مطابق آخری الفاظ جو آپ کی زبانِ مبارک سے بار بار نکلے وہ یہی تھے، کہ

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم!	دیکھو! نماز کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور غلاموں
الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم!	باندیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا خیال رکھنا۔

یہاں پہنچ کر اس حقیقت کو پھر یاد کر لیجئے کہ نماز کی یہ تاثیر کوئی جادو اور چھو منتر کے قبیل کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا راز صرف یہی ہے کہ نماز عجز و نیاز کے ساتھ اللہ کی یاد اور اللہ سے وابستگی اور اُس کے قرب کا اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اس طرح سے اللہ کی یاد اور اُس کے ساتھ تعلق و وابستگی آدمی کو اللہ کا محبوب اور اسکی رحمتوں کا مستحق اور سیرت میں فرشتہ بنا دیتی ہے، اور اگر کوئی قوم اور کوئی امت اجتماعی طور پر اس کو اپنی زندگی بنا لے تو اللہ تعالیٰ اس قوم اور امت کو اس دنیا ہی میں اپنی خلافت

---

[1] امام احمد نے اپنے رسالہ "الصلوٰۃ وما یلزمہا" میں نقل کیا ہے کہ ہر نبی نے اس دنیا سے جاتے وقت اپنی امت کو آخری وصیت نماز ہی کے متعلق کی تھی۔ ۱۲

کے منصب پر بھی فائز کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے اُن پر کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اُس کی سنتِ مستمرہ ہے ——— ولن یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ——— وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ——— وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا۔

کسی قوم اور امت کو منصبِ خلافت پر سرفراز کرانے میں نماز کی جو تاثیر ہے اور اس کے متعلق اللہ کا جو قانون ہے اس کی کچھ تفصیل و توضیح انشاء اللہ اس رسالہ کے آخر میں کی جائے گی۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ صرف نماز کی اہمیت اور اس کی کارفرمائیوں سے متعلق تھا، یا نماز ہی کے متعلق ترغیبی و ترہیبی آیات و احادیث کی تشریح تھی۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جس نماز کی عظمت و تاثیر کا یہ بیان ہوا اُس کی حقیقت کیا ہے، اور وہ کس طرح پڑھی جاتی ہے۔

نماز کی حقیقت

حقیقتِ نماز کو سمجھنے کے لئے سب سے سہل اور صحیح تر طریقہ یہی ہے کہ آپ اس کے تمام اجزاء و عناصر پر غور کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے جس کو حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اما الصلوٰة فهي المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمة الله ... ... ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله

وتوجیہ وجھہ تلقاء اللہ وقصر الاستعانۃ فی اللہ ومن افعال تعظیمۃ کالسجود والرکوع یصیر کل واحدٍ عضدا لاٰخر ومکملہ والمنبہ علیہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۷۳/۱۲)

حضرت شاہ صاحب کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ "نماز کی حقیقت تین عناصر سے مرکب ہے۔ ایک[1] اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تفکر و استحضار ——— دوسرے[2] چند ایسی دُعائیں اور ایسے اذکار جو اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ بندہ کی بندگی اور اُس کا عمل خالص اللہ کے لئے ہے اور وہ اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اللہ ہی کی طرف کر چکا ہے اور اپنی حاجات میں صرف اللہ ہی سے مدد مانگنا چاہتا ہے ——— اور تیسرے[3] چند تعظیمی افعال جیسے قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے"۔

نیز اپنی اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

نماز کی رُوح

"ورُوح الصّلاۃ ھی الحضور مع اللہ والاستشراف للجبروت وتذکر جلال اللہ مع تعظیمٍ ممزوجٍ بمحبۃ وطمانینۃٍ"۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۷/۱۲)

(یعنی اللہ کے سامنے حضوری اور سکینت و محبت آمیز تعظیم کے ساتھ اس کے جلال و جبروت کا تصوّر اور گہرا دھیان، بس یہی نماز کی رُوح ہے)

شاہ صاحب نے نماز کی جو مرکب حقیقت اور پھر اُس کی جو رُوح لکھی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اتنا اختصار قائم رکھتے ہوئے ان سے بہتر اور جامع تر الفاظ میں اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔

نماز اللہ کے ساتھ بندے کا راز و نیاز ہے

صحیح بخاری وغیرہ کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے (ان احد کم اذا قام فی الصلوٰۃ فانہ یناجی ربہ[1]) اور اہلِ لغت نے "مناجاۃ" کے معنی بتلائے ہیں "کسی سے رازدارانہ طریقے پر خاص باتیں کرنا، اور تنہائی میں سرگوشی کرنا[2]" اس بنا پر حدیث کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہوگا کہ "تم میں سے کوئی آدمی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں اور خاص سرگوشی کرتا ہے"۔ پس نماز کی رُوح کی ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ وہ بندے کی اپنے مولا سے سرگوشی اور رازدارانہ و نیازمندانہ عرض معروض ہے۔

صلوٰۃ کے اصل لغوی معنی اور نماز کی رُوح

نیز خود صلوٰۃ کا لفظ، جو قرآن و حدیث میں عام طور پر نماز کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اُس سے بھی نماز کی اس رُوح کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اکثر اہلِ لغت کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ بمعنی دُعا سے منقول ہے، اور بعض محققین کی تحقیق ہے کہ وہ صلوٰۃ بمعنی (اقبال علی الشئی) سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کی طرف پوری طرح سے اور ہمہ تن متوجہ ہو جانا۔ اور مذکورۂ بالا حدیث کا لفظ (یناجی ربہ) صلوٰۃ کے ان دونوں معنی کو یکساں طور پر حاوی ہے۔

خلاصۂ بحث

الحاصل نماز کی حقیقت مرکب تو ہے ان تین چیزوں سے (اللہ کے

---

[1] رواہ البخاری عن انسؓ فی حدیث طویل (مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

[2] مفردات امام راغب ص۵۰۲

عظمت و جلال کا تفکر و استحضار، مقررّہ کلمات کے ذریعہ اپنی عبدیت و عبودیت اور اللہ تعالیٰ کی لاشریک معبودیت اور ربوبیت کا اظہار، اور خاص انداز سے قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ذریعہ اپنے تذلل و تضرع اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و رفعت کا عملی مظاہرہ۔

لیکن اس سب کی رُوح یہ ہے کہ نمازی اپنے کو اللہ تعالیٰ کا عبد ذلیل اور لاچار و محتاج بندہ سمجھتے ہوئے ہر طرح کی عظمت و کبریائی کے مالک اُس معبود برحق کی انتہائی محبت و تعظیم کے جذبہ کے ساتھ اس کے حضور میں حاضر ہو کے اپنی بندگی و نیازمندی کا اظہار کرے۔

خشوع و خضوع والی نماز ہی حقیقی اور جاندار نماز ہی

جب نماز کی حقیقت اور اُس کی رُوح یہ ٹھہری تو معلوم ہوا کہ حقیقی اور جاندار نماز صرف وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا شعور، اپنے تذلل کا احساس اور اللہ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت کا استحضار ہو، جس کے لئے انسان کے ظاہر و باطن کا خشوع لازم ہے، اگر خدانخواستہ یہ چیز بالکل حاصل نہ ہو اور اوّل سے آخر تک ساری نماز غفلت و بے خبری ہی کی کیفیت کے ساتھ پوری ہو تو بلاشبہ یہ نماز بے رُوح قالب اور بے جان لاشہ ہے، اگرچہ اعضاء کی ظاہری حرکات قیام و قعود اور رکوع و سجود کے لحاظ سے اس کو نماز کہدیا جائے لیکن یہ ہرگز حقیقی نماز نہیں ہی۔

خشوع سے خالی نماز کے متعلق بعض ائمہ دین کا فتویٰ

بعض ائمہ دین کا کھُلا فتویٰ ہی کہ جو

نماز خشوع سے خالی ہو وہ ادا ہی نہیں ہوتی "التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" میں بروایت شیخ ابو طالب مکیؒ حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کیا گیا ہے

من لم یخشع فسدت صلوٰتہ — جسکی نماز خشوع سے خالی رہی اسکی نماز فاسد ہے

اور اسی میں حضرت حسن بصری سے نقل کیا گیا ہے، انھوں نے فرمایا :-

کل صلوٰۃ لا یحضر فیھا القلب فھی الی العقوبۃ اسرع[1]۔ — جو نماز دل کی حضوری کے بغیر غفلت ہی میں ادا کیجائے، اس پر ثواب کی اُمید سے زیادہ عذاب کا اندیشہ ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر میں سورۂ ماعون کی آیت "فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون ہ" (بڑی خرابی ہے ان نماز والوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں) کی تفسیر میں نماز سے غافل ہونے کی متعدد صورتیں بیان کرتے ہوئے آخری دو صورتیں یہ لکھی ہیں۔

واما عن اداءھا بارکانھا وشروطھا علی الوجہ المامور بہ واما عن الخشوع فیھا والتدبر لمعانیھا فاللفظ یشمل ذالک کلہ ولکل من اتصف بشیء من ذالک قسط من ھذہ الاٰیۃ[2]ہ

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی نمازوں کو اچھی طرح ارکان و شرائط کیساتھ ادا کرنے سے غفلت برتتے ہیں، یا جو لوگ اپنی نماز میں خشوع پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے اور جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے اُس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، وہ بھی اس

---

[1] التعلیق ص ۲۶۶/۱۷ — [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۴/۴۷

آیت کے مصداق ہیں، اور جس "ویل" (یعنی جس خاص قسم کی سزا اور خاص نوع کے عذاب) کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، اُن کو بھی اس عذاب اور سزا میں سے حصّہ ملنے والا ہے۔ اللھم لا تجعلنا منھم۔

مشہور عارفِ اُمّت شیخ محی الدین اکبر بن عربی قدس سرہٗ ایسے ہی لوگوں کے متعلق (جو بے سمجھے بوجھے اور غفلت ولاپروائی سے نمازیں پڑھتے ہیں) ایک اصلاحی نظم میں فرماتے ہیں۔ ؎

وکم من مصل ما لہ من صلوتہ سوی رویۃ المحراب والکد والعنا

(ترجمہ) بہتیرے ایسے نمازی ہیں کہ مسجد کی محراب (اور در و دیوار) دیکھنے اور خواہ مخواہ کی تکلیف و مشقت اُٹھانے کے سوا اُن کی نمازوں کا کوئی حاصل نہیں۔

نیز اسی کے متعلق ایک دوسرے بزرگ کے چند شعر ہیں۔ ؎

تصلی بلا قلب صلوٰۃ بمثلھا یصیر الفتی مستوجبا للعقوبۃ

اے غافل! تو بلا دل لگائے ایسی نماز پڑھتا ہے کہ اس قسم کی نماز سے آدمی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

فویلک تدری من تناجی معرضا وبین یدی من تنحنی غیر مخبت

افسوس ہے تجھ پر، تو جانتا ہے کہ کس سے تو بے توجہی سے باتیں کر رہا ہے اور کس کے سامنے بے دلی سے جھک رہا ہے۔

تخاطبہ ایاک نعبد مقبلاً علی غیرہ فیھا لغیر ضرورۃ

تو "ایاک نعبد" کہہ کے اُس سے خطاب کرتا ہے اور اسی حالت میں بلا ضرورت

تیرا دل دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ولودد من ناجاك للغير طرفه　　تميزت من غيظ عليه وغيرة

اور واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تجھ سے بات کرتے ہوئے دوسر

کی طرف دیکھنے لگے تو مارے غصہ اور غیرت کے تو پھٹ پڑے۔

اما تستحيي من مالك الملك ان يرى　　صدودك عنه يا قليل المروءة

او بے حیا اور بے مروّت! تجھے اس مالک الملک سے شرم نہیں آتی کہ

وہ تیری اس غفلت اور بے توجہی کو دیکھتا ہے۔

صلوٰة اقيمت يعلم الله انها　　بفعلك هذا طاعة كالخطيئة

جو نماز اس طرح ادا کی گئی ہو، خدا جانتا ہے کہ وہ تیری اس غفلت

کی وجہ سے گناہ کے درجے میں ہے۔

الغرض غفلت اور بے خبری والی نماز (جس میں نہ خشوع ہو، اور نہ اسکی خبر ہو کہ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے کیا کیا عرض کیا) محض ظاہری اور سطحی نماز ہے حقیقی نماز نہیں ہے[1]۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ بہت ہی ناقص درجے کی نماز ہے۔ اور نماز کے

---

[1] واضح رہے کہ بالکل نہ پڑھنے سے تو ایسی نماز پڑھنا بھی سیکڑوں درجہ بہتر ہے، کیونکہ ترکِ نماز کا گناہ، نماز کو ناقص پڑھنے سے ہزاروں درجہ زیادہ ہے، وہ تو قریب بہ کفر ہے ——— پس یہاں جو کچھ غفلت و بے خبری والی نماز کے بارے میں لکھا گیا ہے اُس کا منشا یہ ہے کہ ہم اپنی نمازوں کو شعور و حضور اور خشوع و خضوع والی حقیقی نمازیں بنانے کی کوشش کریں کہ یہی اللہ کے یہاں (بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

جو فضائل قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں، وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ کے معنی قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا حکم ہے، یا جہاں جہاں نماز کا ذکر مدح وستائش کے ساتھ کیا گیا ہے تو وہاں "اقامۃ صلوٰۃ" ہی کے عنوان سے کیا گیا ہے۔

مثلاً۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ، یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ، وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ ——— اور

اقامۃ الصَّلٰوۃَ کے معنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تصریح کے مطابق یہ ہیں کہ

"نماز میں رکوع سجود اچھی طرح سے کیا جائے، قرآن کی تلاوت کا بھی حق ادا کیا جائے، اور پوری طرح متوجہ ہو کر خشوع کیساتھ نماز پڑھی جائے۔"[1]

ظاہر ہے کہ "اقامتِ صلوٰۃ" کا یہ مطالبہ ہماری اُن بے رُوح نمازوں سے کیونکر ادا ہو سکتا ہے جو شعور وحضور کی کیفیت سے خالی ہوں، اور از اوّل تا آخر غفلت و بے خبری کی صفت کے ساتھ پڑھی جاتی ہوں۔

نیز قرآن مجید ہی میں اسی نماز کو ذریعۂ فلاح تبلایا گیا ہے، جو خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۶) فلاح ونجات دلانے والی ہیں۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون ۝

[1] تفسیر ابن جریر میں سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ "اقامۃ الصلوٰۃ تمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیھا۔ ۱۲

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

کامیاب اور بامراد ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

اور اسی کی تفسیر اور شرح سمجھنا چاہئے اُس حدیث کو جو حضرت عبادہ بن صامتؓ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، کہ

خمس صلوٰت افترضهن الله تعالیٰ من احسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن و خشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفر له ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد ان شاء غفر له وان شاء عذبه۔

(رواه احمد وابوداؤد وروی مالک والنسائی نحوه)

(مشکوٰۃ)

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے اچھی طرح اُن کیلئے وضو کیا اور ٹھیک وقت پر انکو پڑھا، اور رکوع و سجود بھی جیسے کرنا چاہئے ویسے ہی کیا، اور خشوع کی صفت کے ساتھ انکو ادا کیا، تو ایسے شخص کیلئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسکو بخشدیگا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا (یعنی ان شرائط کے ساتھ نماز کو ادا نہ کیا) تو اس کے لئے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے گا تو اُسکو بخشدے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر و قیمت صرف خشوع و خضوع والی نماز ہی کی ہے

نمازوں میں خشوع کیونکر پیدا ہو؟

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے نماز میں خشوع وحضور کی اہمیت تو ناظرین کرام پر واضح ہو چکی، اب خشوع وحضور کے ساتھ نماز ادا کرنے کا طریقہ اور اس کی بعض تدابیر عرض کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق۔

جب اذان کی آواز کان میں آئے تو ایمان والوں کو چاہیئے کہ ادب کے ساتھ ادھر متوجہ ہو جائیں، اور خیال کریں کہ یہ پکارنے والا اللہ تعالیٰ مالک الملک کی طرف سے پکار رہا ہے، اور اُس کے دربارِ عالی میں حاضری اور اظہارِ عبودیت کیلئے بُلا رہا ہے۔

پھر جب مؤذن "اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ" اور "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہے تو اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت وکبریائی اور اُس کی لاشریک الوہیت کے تصوّر کو تازہ کرتے ہوئے خود بھی دل وزبان سے یہی کلمات کہیں، اور اگر بالفرض کسی کام میں مشغول ہوں یا کسی خدمت میں لگے ہوں تو یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ سب سے برتر اور بالاتر ہے اور اس کی عبادت کا حق سب سے اہم اور مقدم ہے، نماز کے واسطے اُس کام کو ملتوی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

پھر جب مؤذن "اشهد ان محمدا رسول الله" کہے تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کے یقین کو دل میں تازہ کرتے ہوئے اور رسالت کی عظمت کو ملحوظ

رکھتے ہوئے اپنے دل وزبان سے بھی یہی شہادت ادا کریں۔

پھر جب مؤذن "حیّ علی الصّلوٰۃ" اور "حیّ علی الفلاح" کہے تو خیال کریں کہ یہ مؤذن حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم سے، بلکہ گویا آپ ہی کی طرف سے ہم کو نماز کے لئے بلا رہا ہے، جس میں سراسر ہمارا بھلا ہے بلکہ اسی پر ہماری نجات اور کامیابی کا انحصار ہے۔ پھر اپنے نفس اور اپنی رُوح کو مخاطب کر کے مؤذن کا یہ ہی پیغام خود اپنی زبان سے دُھرائیں[۱]۔

پھر اخیر میں جب مؤذن کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ" تو اپنی زبان سے بھی ان کلمات کو دُہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور لاشریک الوہیت وربوبیت کا تصور پھر دل میں تازہ کریں، اور خیال کریں کہ ایسے عظمت وجلال والے مالک الملک لاشریک لہ کے دربار میں حاضری اور اس کی بندگی کتنی بڑی سعادت ہے، اور اس میں غفلت وکوتاہی کس قدر کمینگی کتنی محرومی اور کیسی شقاوت ہے۔

---

[۱] بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مؤذن جب "حیّ علی الصّلوٰۃ" اور "حیّ علی الفلاح" کہے، تو سننے والا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہے، اسکی توجیہ بھی ظاہر ہی یعنی کہ اللہ کے منادی (مؤذن) کی زبان سے نماز ادا کرنے اور مقامِ فلاح حاصل کرنے کا بلاوا سُنکر عاجز بندہ اقرار کرتا ہی کہ نماز جیسی اعلےٰ عبادت کا کماحقہ ادا کرنا، اور مقام فلاح پر پہونچنا صرف اللہ کی توفیق اور اسکی مدد ہی سے ہو سکتا ہی، ورنہ میں خود تو کسی لائق نہیں ہوں —— راقم سطور عرض کرتا ہے کہ بعض بزرگوں کا معمول دونوں کو جمع کرنا ہے، یعنی وہ "حیّ علی الصّلوٰۃ" اور "حیّ علی الفلاح" کے جواب میں ان کلمات کو بھی دُہراتے ہیں، اور "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

پھر اس مالک الملک کے قہر و جلال کے تصور سے لرزتے ہوئے اور اسکی شانِ رحیمی وکریمی سے لُطف وکرم اور عفو و رحم کی اُمید کرتے ہوئے نہایت عاجزی اور مسکنت اور خوف وادب کی کیفیت کے ساتھ مسجد کی طرف چلدیں، اور اس چلنے کے وقت قیامت کے دن قبر سے اُٹھ کر میدانِ حشر اور مقامِ حساب کی طرف چلنے کو یاد کرکے قلب میں ایک بیم و اُمید کی سی کیفیت پیدا کریں۔

پھر جب مسجد میں داخل ہونے لگیں تو تصور کریں کہ یہ خانۂ خدا اور مالکُ الملک کا دربار ہے، اور یہاں کا ادب یہ ہے کہ داہنا پاؤں پہلے اندر رکھا جائے۔ یہ خیال کرکے داہنا پاؤں پہلے مسجد میں رکھیں، اور دُعا کریں۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ؕ — میرے مالک! میرے گناہ بخشدے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے۔

پھر اگر وضو کرنا ہو تو یہ خیال کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پاک و صاف ہو کر حاضر ہونا چاہیئے، جیساکہ اس کا حکم ہے۔ نیز احادیث نبویہ میں وضو کے جو فضائل آئے ہیں مثلاً یہ کہ "وضو کے وقت اعضاءِ وضو کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں" اور مثلاً یہ کہ "قیامت میں اعضاءِ وضو روشن اور منوّر ہوں گے جس کے ذریعے سے اس اُمّت کے نمازی تمام دوسرے لوگوں کے لحاظ سے ممتاز ہوں گے، اور یہ اُنکی خاص نشانی اور پہچان ہوگی" سو وضو کے وقت ان فضائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی پوری اُمید کرتے ہوئے وضو کریں اور سنن و مستحبات کی کماحقہ رعایت رکھیں بالخصوص مسواک کا ہمیشہ اہتمام کریں، اور یہ خیال کریں کہ اپنے مولا سے اسی منہ سے کچھ عرض کرنا ہے، اور اُس کا پاک کلام اس کے حضور میں پڑھنا ہے، اِس لئے

مسواک کے ذریعے منہ کے صاف کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ ؎

گر ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود بھی مسواک کا حد سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی بہت تاکید فرماتے تھے، اور اس کے بڑے فضائل اور فوائد بیان فرماتے تھے[1]

پھر وضو کرنے والا جب اس طرح وضو کر کے فارغ ہو جائے تو یہ خیال کرے کہ یہ تو میں نے صرف ظاہری طہارت کی، اس سے زیادہ ضروری باطن کی طہارت ہے یعنی گندے ارادوں اور ناپاک خیالات سے، اور گناہوں کی ناپاکی سے اپنے دل کی طہارت، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہاتھ پاؤں اور چہروں سے زیادہ دلوں کو دیکھتا ہے، پس بڑا احمق اور بیوقوف ہے وہ انسان جس نے اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کیلئے ہاتھ پاؤں وغیرہ چند ظاہری اعضاء تو دھو لئے لیکن دل کی صفائی اور پاکی کی کوئی فکر نہ کی۔ حالانکہ جس مالک و مولا کے سامنے اُس کو حاضر ہونا اور جس سے کچھ

---

[1] ایک حدیث میں ہے "السواك مطهرة للفم مرضاة للرب (مشکوٰۃ) یعنی مسواک منہ کو بہت پاک و صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت خوش کرنیوالی چیز ہے۔ ایک روایت میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "تفضل الصلوٰة التی یستاك لها علی الصلوٰة التی لا یستاك لها سبعين ضعفاً (مشکوٰۃ) یعنی جس نماز کے لئے مسواک کی جائے وہ اس نماز کے مقابلے میں ستر درجہ افضل ہے جس کے لئے مسواک نہ کی جائے۔ ۱۲ منہ

عرض و معروض کرنا ہے وہ سب سے زیادہ دلوں ہی کو پاک اور صاف دیکھنا چاہتا ہے، اور اس پاکی کا خاص ذریعہ توبہ و استغفار ہے، پس وضو کے بعد تمام گناہوں سے توبہ و استغفار بھی کرے۔

پھر جب نماز کے لئے کھڑا ہونے لگے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے والی اپنی پیشی کو یاد کرے اور ندامت اور حیا اور خوف سے اُس کے دل کی حالت اُس وقت وہ ہونی چاہئے جو نہایت محسن آقا کے سامنے حاضر ہوتے وقت کسی بھاگے ہوئے خطاکار غلام کی ہوتی ہے۔ نیز نماز کے فضائل کا بھی دھیان کرے خصوصاً اس کی یہ فضیلت یاد کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری اور انتہائی قرب کا خاص موقع ہے اور یہ کہ قیامت میں نماز ہی کی اچھائی یا برائی پر آدمی کی سعادت یا شقاوت کا فیصلہ ہونے والا ہے، پھر یہ خیال کرے کہ کیا خبر ہے یہی نماز میری آخری نماز ہو، اور اس کے بعد کوئی نماز پڑھنی مجھے نصیب نہ ہو۔ لہذا بہتر سے بہتر نماز ادا کرنے کا عزم کرے، اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگے۔

پھر جب قبلہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو جائے تو خیال کرے کہ جس طرح میں نے اپنے جسم کا رُخ بیت اللہ کی طرف کر لیا ہے جو ہمارے جسموں کا قبلہ ہے، اسی طرح میرے دل کا رُخ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ ہی کی طرف ہونا چاہئے جو قلوب وارواح کا قبلہ ہے، یہ خیال کر کے دل و زبان سے کہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

میں نے اپنا رُخ کامل یکسوئی کے ساتھ اُس اللہ کی طرف پھیر دیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ	میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور
وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝	میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو رب العالمین ہے
لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ	اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝	اس کا حکم ماننے والوں میں سے ہوں۔

اس کے بعد نماز شروع کرے، اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت وکبریائی کا تصور کرتے ہوئے اور اپنی ذلت وبیچارگی اور تمام ماسوی اللہ کی بے حقیقتی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دل وزبان سے کہے، "اللہُ اکبر" (اللہ بہت بڑا ہے، ہر طرح کی کبریائی اور برتری اسی کے لئے ہے) اس تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا زیادہ سے زیادہ دھیان اور دل میں زیادہ سے زیادہ خشوع اور تذلل کی کیفیت ہونی چاہئے بعض عارفین نے لکھا ہے کہ پوری نماز کی اجمالی حقیقت "اللہ اکبر" میں سمٹی ہوئی ہے اور ساری نماز اسی "اللہ اکبر" کے معنی کی تفصیلی اور عملی صورت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر یقین کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اُس کے حضور میں کھڑا ہوا تصور کرکے اولاً ثنا پڑھے اور اس خیال کے ساتھ پڑھے کہ حق تعالیٰ اپنی خاص کریمانہ شان کے ساتھ متوجہ ہے، اور سُن رہا ہے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ	اے میرے اللہ پاک ہے تیری ذات، اور تیرے ہی
وَتَبَارَکَ اسْمُکَ	لئے ہے ہر تعریف، اور برکت والا ہے
وَتَعَالٰی جَدُّکَ	تیرا نام، اور اونچی ہے تیری شان، اور
وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ	تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور پھر یہ خیال کر کے کہ شیطان ہمارے دین وایمان کا اور خاص طور سے ہماری نمازوں کا بڑا سخت دشمن ہے، اور وہ ہماری گھات میں ہے اور میں آگے جو کچھ اپنے رب سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ اس میں ضرور خرابی ڈالنے کی کوشش کرے گا اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کے شر سے میری حفاظت فرما سکتا ہے۔ غرض اپنے آپ کو شیطان کے بچاؤ سے عاجز سمجھ کر، اُس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، اور عرض کرے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم — میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے

اس کے بعد "بسم اللہ" پڑھ کر سورۂ فاتحہ (الحمد) شروع کرے اور ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر، سمجھ سمجھ کر، پورے خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا، کہ بندہ جب نماز میں کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن" (سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "حمدنی عبدی" (میرے بندے نے میری حمد کی) پھر جب کہتا ہے "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم" (جو بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اثنیٰ عَلَیَّ عبدی" (میرے بندے نے میری صفت بیان کی) پھر جب کہتا ہے "مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن" (جو یوم جزا کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ" (میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب کہتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ" (اس میں میرے بندے نے میری توحید کا اقرار کیا اور اپنے واسطے مجھ سے مدد مانگی ہے، میرے بندے کو اس کی مانگ ملے گی) اس کے بعد جب بندہ

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ھٰذا لعبدی ولعبدی ما سأل" (میرے بندے نے اپنے لئے مجھ سے ہدایت مانگی اور میرے بندے کی یہ مانگ پوری کی جائے گی)۔

پس نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ سورہ فاتحہ کی ہر آیت کو سمجھ سمجھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر اس تصور کے ساتھ پڑھے کہ اللہ تعالیٰ میری سُن رہے ہیں اور مذکورۂ بالا حدیث کے مطابق میری ہر بات کا جواب دے رہے ہیں۔ چنانچہ جب "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" پر پہونچے اور اللہ تعالیٰ کے اس جواب کا خیال آوے کہ "میرا بندہ جو مانگے گا وہ اس کو ملے گا" تو یہ تصور کرے کہ میری سب سے بڑی حاجت اور سب سے اہم ضرورت، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور دینِ حق پر چلنا ہے، اور اسوقت اللہ تعالےٰ سے جو مانگا جائے وہ اس کو عطا کرنے کا وعدہ فرما رہا ہے، دل کی پوری تڑپ کیساتھ اُس ربِّ کریم سے عرض کرے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ	اے اللہ ہم کو سیدھے راستہ پر چلا، اُن اچھے بندوں
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ	کے راستے پر جن پر تو نے فضل فرمایا، نہ اُن پر تیرا
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؕ	غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔
اٰمِیْن!	اے اللہ میری یہ دعا قبول فرما!

اس کے بعد جو سورہ پڑھنی ہو پڑھے، اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی میری دعا کا جواب ہے جو خود میری زبان سے کہلوایا جا رہا ہے۔ قرآن شریف کی جو بھی چھوٹی بڑی سورہ پڑھی جائے، یا جہاں سے بھی اُس کی دو چار آیتیں پڑھی جائیں، لازماً اس میں ہماری ہدایت کا کوئی نہ کوئی سبق ہو گا۔ یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید

اس کی تسبیح و تقدیس، اور اس کی صفاتِ عالیہ کا بیان ہوگا، یا قیامت و آخرت کا ذکر ہوگا، یا عبادات اور اخلاق یا معاملات و معاشرت کے اچھے اصولوں کی تلقین ہوگی، یا گذشتہ پیغمبروں اور اُن کی امتوں کے سبق آموز واقعات ہوں گے غرض قرآن شریف کی ہر آیت میں ضرور بالضرور ہمارے لئے کوئی خاص ہدایت ہوگی۔

پس نمازی سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی جو بھی سورۃ یا جو آیتیں بھی پڑھے، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی دعا کا جواب سمجھے، اور اپنے آپ کو مثل شجرۂ موسوی کے تصوّر کرے (یعنی اُس درخت کی مانند جس سے حضرت موسیٰؑ نے وادیٔ طویٰ میں حق تعالیٰ کا کلام پاک سنا تھا) درحقیقت کلام اللہ پڑھنے والے ہر مومن پر (اور بالخصوص نماز میں قرآن پڑھنے والے مومنین پر) اللہ تعالیٰ کے ہزاروں بڑے بڑے احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان و انعام یہ بھی ہے کہ شجرۂ موسوی والی سعادتِ عظمیٰ ان کو حاصل ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حقیقی اور ازلی مقدس کلام کو اپنی زبان سے ادا کرنا اور دُہرانا نصیب ہوتا ہے۔ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

پھر جب قرأت ختم کر چکے تو شکر کے جذبے سے بھرے ہوئے دل کیساتھ اللہ تعالیٰ کی وراء الوراء شانِ کبریائی کا دھیان کرتے ہوئے اور اپنے کو اس کی عبادت اور اس کے شکر کی کما حقہ ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہہ کے رکوع کرے اور سرِ نیاز اُس کے آگے جھکا دے، اور اپنی ذلت و حقارت اور حق تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و جلالت کا تصوّر کر کے دل و زبان سے بار بار کہے[1]

---

[1] رکوع اور سجدے میں تسبیح کم از کم تین مرتبہ ضرور کہے یہ سنّت کا کم سے کم درجہ ہے اور (بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

سُبحانَ رَبِّیَ العَظِیم	سُبحانَ رَبِّیَ العَظِیم	سُبحانَ رَبِّیَ العَظِیم
پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار	پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار	پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار

اس کے بعد سر اُٹھائے، اور کہے:-

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ نے حمد کرنیوالے کی سُن لی!)

یہ کلمہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور جواب کے ہے جو بندہ ہی کی زبان سے کہلوایا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے بندے! تیری حمد کو تیرے رب نے سُن لیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدر افزائی اور یہ بندہ نوازی معلوم کرکے بندہ کو چاہئے کہ اس کے تمام ظاہر و باطن پر حمد و شکر کا جذبہ طاری ہو جائے اور وہ دل و زبان اور جسم و جان سے کہے "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ"[1] (اے میرے پروردگار ساری حمد و ثنا تیرے ہی لئے ہے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷) اس سے زیادہ افضل ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اکثر عادت جماعت کی نمازوں میں قریباً دس دفعہ کہنے کی تھی، اور بعض اوقات آپ سے بہت طویل طویل رکوع و سجود بھی ثابت ہے۔ ۱۲ منہ

[1] حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے (سمع اللہ لمن حمدہ) کے بعد کہا "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنَ الْخَطَایَا بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ ۱۲ منہ

اس کے بعد حق تعالیٰ کی وراءالوراء عظمت و کبریائی اور اپنی بے حقیقتی اور شکر و عبادت کا حق ادا کرنے میں اپنی عاجزی اور کوتاہی کا تصوّر کرتے ہوئے دل و زبان سے "اللہُ اکبر" کہتا ہوا سجدے میں گر جائے، اور اپنی پیشانی (جو اُس کے جسم کا سب سے اعلیٰ اور اشرف حصّہ ہے) اللہ کے حضور میں زمین پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و رفعت کے سامنے اپنی انتہائی ذلّت و پستی اور بندگی و سرافگندگی کی عملی شہادت دے، اور اللہ تعالیٰ کے بے انتہا جلال و جبروت کا تصوّر کر کے اپنے کو اس کا عبدِ ذلیل اور خاک پر پڑا ہوا ایک کیڑا سمجھتے ہوئے اسی حالت میں بار بار دل و زبان سے کہے۔

سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی	سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی	سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی
پاک ہے میرا پروردگار جو بہت برتر اور بالاتر ہے	" " " "	" " " "

پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے سجدہ سے اعلےٰ و ارفع اور اپنے سجدہ اور اپنی عبادت کو اس دربارِ عالی کی شان کے لحاظ سے نہایت ناقص اور ناقابلِ قبول سمجھتے ہوئے ندامت اور اعترافِ قصور کے ساتھ "اللہُ اکبر" کہہ کے سجدے سے سر اُٹھائے اور سیدھا بیٹھنے کے بعد[1] پھر اُسی تصوّر و تاثر کے ساتھ "اللہُ اکبر" کہہ کر دوبارہ سجدے میں گر جائے اور اُس وقت اُس کا دل اللہ تعالیٰ کی بے نہایت رفعت و عظمت اور اپنی انتہائی حقارت و ذلّت کے خیال میں ڈوبا ہوا ہو، اور اُس کو ہر کمزوری اور

---

[1] دونوں سجدوں کے درمیانی جلسہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ دعا بھی ثابت ہے
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی وَارْحَمْنِی وَعَافِنِی وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی - ۱۲ منہ

ہر نامناسب بات سے پاک اور اپنے کو سراسر گندگیوں اور عیبوں کا مجموعہ اور نہایت حقیر اور خطاکار بندہ تصوّر کرتے ہوئے پھر بار بار دل و زبان سے کہے۔

سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی   سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی   سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی

پھر یہ تصوّر کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہمارے ان سجدوں اور ہماری عبادات سے بہت برتر اور بالاتر ہے "اللہ اکبر" کہتا ہوا کھڑا ہو جائے اور جن تصوّرات کے ساتھ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی تھی، اِس رکعت میں بھی پھر اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اُس کے بعد کوئی سورۃ پڑھے، اور مذکورۂ صدر تفصیل کے مطابق رکوع و سجدہ کرے، غرض ہر رکعت میں اسی طرح کرے۔

پھر جب بیٹھ کر تشہد پڑھنے کا وقت آئے تو دل کو پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ کر کے عرض کرے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ	ادب و تعظیم کے سارے کلمے اللہ ہی کیلئے ہیں اور
وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیکَ	تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کیلئے ہیں
اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ	سلام ہو تم پر اے نبیؐ اور رحمت اللہ کی اور اسکی برکتیں

---

(۱) سجدہ چونکہ نیاز مندی اور عاجزی کے اظہار کی انتہائی شکل ہے اور ایک حدیث کے مطابق بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدے ہی کی حالت میں حاصل ہوتا ہے، اسلئے سجدہ کر کے بندہ کو وہم اور وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیاز مندی کا حق ادا کر دیا اور اُس کو پالیا۔ پس سجدے میں "ربی الاعلیٰ" کے لفظ کیساتھ اللہ کی تسبیح اور "اللہ اکبر" کہہ کر سجدے سے اُٹھنے میں یہ اشارہ اور تنبیہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ بہت عالی ہے اور وراء الوراء ہے کہ "عنقا را بلند است آشیانہ"۔

(از افادات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ)

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ - اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ -	سلام ہو ہم پر، اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی قابلِ عبادت نہیں سوا اللہ کے، اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسکے بندے اور اُسکے پیغمبر ہیں۔

اور قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد یہ خیال کر کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ درود شریف پڑھے کہ اس دربارِ خداوندی تک ہم کو رسائی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رہنمائی سے حاصل ہوئی ہے، اور ہمارا ایمان و اسلام اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق حضورؐ ہی کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہے، اور آپ ہی ہمارے ہادیٔ اوّل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی حضورؐ کو اس ہدایت و رہنمائی کا اور اس سلسلے کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا بدلہ دے سکتا ہے، لہٰذا دعائے رحمت یعنی درود کی شکل میں آپ کے احسان کا اعتراف کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کے اس سلسلے کو ختم کر دینا بڑی بے مروتی اور احسان فراموشی ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابۂ کرام کو جو درود شریف تعلیم فرمائی تھی اور جو عام طور سے نمازوں میں پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ——— اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى	اے اللہ حضرت محمدؐ پر اور انکی آل پر (یعنے انکے متعلقین اور متبعین پر) اپنی خاص رحمت نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم پر رحمت کی تو قابلِ حمد ہے اور صاحب مجد ہے۔ اے اللہ حضرت محمدؐ پر اور انکی آل پر برکتیں نازل فرما جیسے کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ

اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اور آلِ ابراہیم پر برکتیں نازل کیں۔ تو قابلِ حمد ہی، اور صاحب مجد ہے۔

درود شریف پر گویا نماز پوری ہو گئی۔ مگر اس نماز کو اللہ تعالیٰ کی شانِ عالی کے لحاظ سے نہایت ناقص اور ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہوئے اور اس بارے میں اپنے کو سراسر قصوروار اور خطاکار تصور کرتے ہوئے اپنے اندر خوف اور دل شکستگی کی کیفیت پیدا کرے، اور نہایت الحاح اور تضرع کے ساتھ حق تعالیٰ سے عرض کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ[1]

اے میرے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا میں سخت قصوروار ہوں اور صرف تو ہی گناہوں کو معاف کرنیوالا ہی پس تو مجھے معافی دیدے محض اپنے فضل سے، اور مجھ پر رحم فرما، یقیناً تو بخشنے والا اور مہربان ہی۔

یہ دعا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو انکی درخواست پر نماز ہی میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی۔

(صحیح بخاری)

اس دعا و استغفار ہی کو اپنی نماز کا خاتمہ بنائے، اور اس کے بعد سلام کے ذریعہ نماز ختم کر دے۔ داہنی جانب کے سلام میں داہنی جانب کے رفقار نماز اور

---

[1] اس موقع پر (یعنی درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے) حضور صلعم سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں پس ان میں سے جو بھی دعا کسی کو یاد ہو یا جس سے طبیعت کو مناسبت ہو اسکو اختیار کر لیا جائے۔ ۱۲ منہ

فرشتوں کی نیت کرے، اور بائیں جانب کے سلام میں اس جانب والوں کی، اور امام جس جانب میں ہو اس کی نیت اسی جانب کے سلام میں کرے۔

یہ ظاہر ہے کہ سلام کا اصل موقع ابتداءِ ملاقات ہے۔ یعنی جدا ہونے کے بعد جب دو مسلمان باہم ملیں تو انہیں سلام کا حکم ہے۔ پس نماز کے ختم پر دو طرفہ سلام کی مشروعیت میں ہمارے لئے اشارہ ہے کہ ہم پوری نماز میں اس قدر یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اس سے مناجات اور عرض معروض میں ایسے غرق رہیں کہ اپنے گرد و پیش کی دنیا سے بھی، حتیٰ کہ اپنے ساتھ کے فرشتوں سے بھی منقطع اور غائب ہو کر گویا کسی دوسرے ہی عالم میں ہیں، اور نماز کے ختم پر گویا اس عالم سے پلٹ کر تازہ ملاقات کرتے ہیں اور دائیں بائیں کے رفیقوں اور فرشتوں کو سلام کرتے ہیں۔

سلام پھیرنے کے بعد پھر یہ خیال کرے کہ میری یہ نماز بہت ناقص ہوئی اور اللہ تعالیٰ محض اپنے کرم سے معاف نہ فرمائے تو میں اس پر سزا کا مستحق ہوں۔ بہر حال یہ خیال کر کے شرم و ندامت اور خوف کے جذبہ کے ساتھ اپنی نماز کی کوتاہیوں اور دوسری عام معصیتوں سے معافی مانگے اور عفو و درگزر کی التجا کرے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ ایسی آواز سے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ" کہتے تھے کہ پیچھے کے لوگ بھی آپ کے اس استغفار کو سن لیتے تھے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے خاص اور مقبول بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے "کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، بلکہ راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت اور اس کی یاد میں گزارتے ہیں

اور پھر سحر کے وقت اُس سے معافی مانگتے ہیں، گویا رات بھر کی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصوروار اور خطاوار گردانتے ہوئے اپنے مالک و مولا سے اپنے گناہوں اور اپنی خطاؤں کی معافی ہی چاہتے ہیں۔ بہرحال ایمان والوں کا حال یہی ہونا چاہئے کہ اپنی طرف سے اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کریں، اور سلام پھیرنے کے بعد اپنے قصور اور اپنی کوتاہ کاری کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے معافی چاہیں اُس سے بخشدینے کی التجائیں کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے جو چاہیں دعائیں مانگیں۔

نماز کی کیفیات اور دورانِ نماز کے جذبات و تصوّرات کے متعلق جو کچھ یہاں تک عرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ اس سلسلے کی انتہائی باتیں نہیں ہیں، بلکہ زیادہ تر عمومی اور اوسط درجہ ہی کی چیزیں ہیں۔ تاہم آج کل کے حالات میں جبکہ ہماری نمازیں عموماً صرف ظاہری اور رسمی ہی رہ گئی ہیں، اور اُن میں سے رُوح نکلتی جارہی ہے اگر ہم اس درجہ کی نمازیں پڑھنے کی بھی کوشش کریں تو ہماری روحوں کی پاکیزگی ہماری سیرتوں کی درستی اور ہمارے حالات میں نہایت اعلیٰ تبدیلی یقینی ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی جو یہ تاثیر بتلائی گئی ہے کہ مثلاً وہ بُرے کاموں اور گندی باتوں سے آدمی کو روک دیتی ہے (اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ) یا مثلاً یہ کہ وہ آدمی سے گناہوں کی گندگی کو دھوکر اس کو پاک صاف کردیتی ہے (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ) یا مثلاً یہ کہ وہ آدمی کو فلاح سے ہمکنار کراتی ہے (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون) یا مثلاً یہ کہ نماز کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ
کی خاص الخاص عنایات، حتیٰ کہ مقامِ معیت کا مستحق ہو جاتا ہے (انی معکم لئن
قمتم الصلوٰۃ) یا مثلاً یہ کہ نماز سخت سے سخت مصائب و مشکلات کا علاج
ور اللہ تعالیٰ کی خاص پناہ کا دائرہ ہے (واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ) وفی الحدیث
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا حزبہ امر فزع الی الصلوٰۃ)
یا مثلاً اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والی قوم کو اپنی خاص مدد کے ذریعہ فتح اور غلبہ دیتا ہے
ور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے (فصل لربک وانحر ۔ ان شانئک
ھو الابتر) غرض نماز کی اس قسم کی جتنی تاثیریں قرآن مجید یا احادیث میں وارد
ہوئی ہیں، سو یہ انھیں خشوع و حضور والی نمازوں کی تاثیریں ہیں، جو کم از کم
مذکورۂ صدر کیفیات و جذبات کے ساتھ ادا کی جائیں، اور یہی نمازیں ہیں جو
"معراج المومنین" کا مصداق ہوتی ہیں، ورنہ جس طرح کی خشوع و حضور سے خالی
نمازیں عام طور سے ہم پڑھتے ہیں، چاہے احکامِ ظاہر کے لحاظ سے ہم یہ کہہ سکیں
کہ یہ نمازیں نہیں ہوتیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ نمازیں بے جان اور بے روح
ہیں۔ امام احمد اپنے رسالہ "الصلوٰۃ وما یلزمہا" میں فرماتے ہیں۔

قد جاء فی الحدیث یاتی علی الناس زمان یصلون ولا یصلون۔

حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ بظاہر نمازیں پڑھیں گے، لیکن درحقیقت نمازیں نہ پڑھتے ہوں گے۔

بہر حال نماز کے ظاہری ارکان قیام، قرأت، رکوع و سجود وغیرہ کے علاوہ
خشوع و حضور کی کیفیت کو بھی نماز میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اور بجا طور پر

کہا جا سکتا ہے کہ یہی باطنی کیفیت نماز کی رُوح اور اُس کی جان ہے، اور اسی پر نماز کی مقبولیت اور محبوبیت کا دار و مدار ہے، اور یہی چیز آدمی کو خدا سے قریب کرتی ہے، اور اُس کی خاص رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق بناتی ہے۔

نماز کے اجزاء و عناصر کی ایک تمثیل اور خشوع و حضور کی اہمیت!

نماز میں خشوع و حضور کی اہمیت کو ذیل کی تمثیل سے غالباً آپ اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

جس طرح انسان بہت سے اجزاء کا مجموعہ ہے، مثلاً اس میں رُوح ہے جو ہم کو نظر بھی نہیں آتی، مگر وہی انسان کا سب سے اہم جز ہے، اور اسی سے اُس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ علیٰ ہذا جگر، معدہ، قلب و دماغ وہ اعضاء ہیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی جاتا رہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا پھر ان کے علاوہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، کان، زبان یہ ایسے اعضاء ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر اگرچہ انسان کی زندگی موقوف نہیں، لیکن پھر بھی ان کی خاص اور غیر معمولی اہمیت ہے، اور ان میں سے کوئی ایک بھی ماؤف ہو جائے تو آدمی میں بڑا نقصان آجاتا ہے، اور انسانیت کے بہت سے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے علاوہ کچھ ایسے اجزاء ہیں جن کو صرف خوبصورتی میں دخل ہے، اور ان کے نہ ہونے یا خراب ہونے سے آدمی بدصورت اور قبیح المنظر معلوم ہونے لگتا ہے، جیسا کہ داڑھی، پلکوں کے بال، ناک یا کان کا خارجی حصہ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان سب کے علاوہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں، جن کو صرف کمالِ حُسن میں دخل ہے۔ مثلاً اُٹھی ہوئی ناک، بلند پیشانی،

کما ندار ہویں، رنگ میں سپیدی اور سرخی کی آمیزش وغیرہ وغیرہ۔

بالکل اسی طرح نماز کے بھی بہت سے اجزاء ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ اہم ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی لاشریک الوہیت اور اُس کی شانِ رحیمی و قہاری کا تصور کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کا قصد اور اُس کی عبادت کا ارادہ، (یعنی نیت جو قلب کا فعل ہے) اور دورانِ نماز میں اُس کی عظمت و کبریائی اور اپنی ذلت و پستی کا دھیان، اور فی الجملہ خشوع و خضوع کی کیفیت یہ سب بمنزلۂ رُوح کے ہیں۔ لہٰذا اگر بالفرض کوئی نماز ان سے بالکل خالی ہو تو یقیناً وہ بے رُوح نماز ہے، اور اُس کی مثال بالکل اُس انسانی ڈھانچے کی سی ہے جس کے ظاہری اعضاء ہاتھ، پاؤں وغیرہ صحیح و سالم ہوں لیکن اُس میں سے رُوح نکل چکی ہو۔ الغرض نماز میں نیت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا دھیان اور خشوع کی کیفیت کا درجہ وہی ہے جو انسان کے وجود میں رُوح کا ہے۔

پھر قیام و قرأت، رکوع و سجود وغیرہ ارکانِ نماز کی حیثیت بالکل وہ ہے جو انسانی ہیکل میں دل، دماغ اور جگر و معدہ جیسے اعضاء رئیسہ کی ہے۔ پس جس طرح ان اعضاء میں سے اگر ایک بھی نکال لیا جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح نماز کے ارکان میں سے اگر کوئی رکن فوت ہو جائے تو نماز باقی نہ رہے گی۔

پھر تیسرا درجہ واجبات کا ہے، ان میں سے کسی کے فوت ہو جانے سے نماز ایسی ہی ناقص ہو جائے گی جیسے کہ ظاہری اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ کے جاتے رہنے سے انسان ناقص اور ادھورا رہ جاتا ہے۔

چوتھا درجہ سنن و مستحبات کا ہے، پس نماز میں جو چیزیں سنت اور مستحب

درجے کی ہیں، ان کے فوت ہونے سے ایسی ہی کمی اور بدصورتی آجاتی ہے جیسا کہ بھوؤں یا پلکوں کے بال گر جانے سے، یا ناک یا کان یا ہونٹ کا کوئی حصہ کٹ جانے سے آدمی بدصورت ہو جاتا ہے۔

پانچواں درجہ آداب اور لطائف کا ہے، مثلاً یہ کہ نماز کے افتتاح یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت اور قیام کے دوران میں نمازی کے ظاہر و باطن کی کیفیت کیا ہو قرأت کس طرح اور کن رعایات اور کیفیات کے ساتھ کرے، پھر رکوع اور قومہ اور سجدہ اور جلسہ اور قعدہ میں اور ان کے درمیانی انتقالات میں ظاہر و باطن کی کیا کیفیت ہو، یہ سب نماز کے آداب اور لطائف ہیں، اور انکی حیثیت وہی ہے جو انسان کے ظاہری و باطنی محاسن کی ہوتی ہے۔ اور جس طرح ظاہری و باطنی کمالات و محاسن کی کمی بیشی آدمی کے درجہ کو گھٹاتی اور بڑھاتی ہے، اسی طرح نمازوں کا درجہ بھی ان آداب و لطائف ہی کے لحاظ سے ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتا ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات ایک صف میں برابر برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے دو آدمیوں کی نمازوں میں (ان آداب و لطائف ہی کی کمی بیشی سے) قطرہ اور سمندر اور ذرہ اور پہاڑ کا سا فرق ہو جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

بعض پڑھے لکھے لوگوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ کتب فقہ میں خشوع و خضوع جیسی باطنی کیفیات کا ذکر نہ پانے کی وجہ سے ان چیزوں کو نماز میں بہت زیادہ اہم اور ضروری نہیں سمجھتے بلکہ صرف تکمیلی درجہ کی چیزیں سمجھتے ہیں، گویا ان کے نزدیک خشوع والی اور خشوع سے

خالی نماز میں صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے، غالباً اُن کے اس مغالطہ کی اصل بنیاد یہ ہے کہ انھوں نے کتبِ فقہ کو دین کا پورا نصاب سمجھ لیا ہے، اور اُنکا خیال ہے کہ جو چیز فقہ کی ان کتابوں میں نہیں لکھی گئی ہے وہ دین میں ضروری درجہ کی چیز ہی نہیں ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فقہ کا موضوع انسان کے اعمال کا صرف ظاہری پہلو ہے، اور اس لئے حضرات فقہا اپنی کتابوں میں ظاہری ارکان و شرائط ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بارے میں ان کی مثال اطباء اور ڈاکٹروں کی سی ہے، جس طرح وہ انسان کی صرف ظاہری اور جسمانی صحت و بیماری سے بحث کرتے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات دیتے، دوائیں تجویز کرتے اور پرہیز بتلاتے ہیں، اور انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت سے اپنے فن کے لحاظ سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے اسی طرح فقہ میں مسلمانوں کے صرف ظاہری اعمال سے ظاہری احکام ہی کے اعتبار سے بحث کی جاتی ہے، اور فقہائے کرام صرف ظاہری شرائط و ارکان کے لحاظ سے عمل کا صحیح ہونا یا صحیح نہ ہونا بتلاتے ہیں۔ باقی اعمال کی روحانیت مثلاً اخلاص اور احتساب کے ساتھ اُن کو ادا کرنا، اور ادائگی کے وقت خشوع و خضوع کی کیفیت کا قلب میں ہونا، سو یہ فقہ کا موضوع نہیں ہے۔ اسی لئے حضرات فقہا ان اُمور میں کلام نہیں کرتے، اگرچہ ان کی واقعی اہمیت کو وہ دوسروں سے بھی زیادہ جانتے ہوں[1]۔

——— یہ چیز یعنی اعمال کی رُوحانیت، یا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کیلئے اُن اعمال

---

[1] انسانی اعمال کے اس باطنی پہلو کی اہمیت کسی طرح بھی اُس ظاہری پہلو سے کم نہیں ہے جو فقہ کا موضوع ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عند اللہ اور آخرت کے نقطۂ نظر سے اسکی اہمیت زیادہ ہے

(بقیہ ص...

کی باطنی نسبت، اصحابِ اخلاص واحسان (حضراتِ صوفیائے کرام) کے فن کی چیز ہے، اور وہ اپنی کتابوں میں انسانی اعمال کے اس باطنی پہلو سے پوری پوری تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں[۵]۔ اور قرآن وحدیث چونکہ دین کے تمام ظاہری و باطنی شعبوں پر حاوی ہیں، اس لئے اُن میں جس طرح نماز کے ظاہری ارکان وشرائط

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) حدیث صحیح میں ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ" دوسری مشہور حدیث ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰی" پس اعمال کے باطنی پہلو کی صحت، ظاہری قانونی صحت سے بھی زیادہ ضروری ہے، مگر افسوس ہمارے بہت سے نمازی دینی حلقوں میں بھی اب اس کی اہمیت کا احساس باقی نہیں رہا ہے فالی اللّٰہ المشتکی وھو المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۱۲

[۵] راقم سطور نے بھی یہاں ان صفحات میں جو کچھ اس بارے میں لکھا ہے وہ زیادہ تر اس فن کے ائمہ کرام مثلاً امام ابو طالب مکیؒ (صاحب "قوت القلوب") امام غزالیؒ طاش کبری زادہ (صاحب مفتاح السعادۃ) امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ قدست اسرارہم کے افادات ہیں جو حافظہ میں رہ گئے ہیں، یا بعض چیزیں اپنے بعض اکابر سے سنی سنائی ہیں، یا بعض بندگانِ خدا کو نماز پڑھتا دیکھ کر کچھ سمجھا ہے۔ بہر حال نماز کی باطنی کیفیات کے بارے میں یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے میری اصلی حیثیت اسمیں صرف ناقل کی ہے۔ اپنی بےخودی اور نااہلیت کے پورے احساس بلکہ اذعان کے باوجود صرف اس امید پر یہ سب کچھ لکھ دیا ہے کہ شاید کوئی پاکیزہ فطرت، خوش نصیب بندۂ خدا ان باتوں سے کما حقہ فائدہ اٹھائے، اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اس کی برکتوں اور سعادتوں میں سے مجھے بھی کوئی حصہ دیدے۔

(اَللّٰھُمَّ اَسْعِدْنِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ)

قیام، قرأت، رکوع، سجود وغیرہ کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ اسی طرح اخلاص احسان، خشوع وخضوع جیسی باطنی کیفیات کے متعلق بھی سخت تاکیدات کی گئی ہیں، جیسا کہ اس مقالہ ہی کے سابقہ اوراق سے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے۔ الغرض کتب فقہ میں ان امور کا بیان نہ ہونے سے یہ سمجھنا کہ نماز کے لئے یہ باطنی کیفیات کچھ زیادہ ضروری نہیں ہیں، بلکہ یہ صرف تکمیلی درجہ کی چیزیں ہیں۔ درحقیقت بہت گھٹیا درجہ کی اور بڑی دولت سے محروم کر دینے والی غلط فہمی ہے۔

اعمال کے باطنی پہلو کی تکمیل کی، عام فطری راہ اہل اللہ کی صحبت ہے

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور دیگر عبادات کے اس باطنی پہلو کی اصلاح وتکمیل، یعنی ہمارے اعمال میں خشوع وخشیت، اخلاص واحتساب اور احسان والی کیفیات کا پیدا ہو جانا (جس کو اعمال کی روحانیت بھی کہہ سکتے ہیں) اس کا زیادہ موثر اور عام طبائع کے لحاظ سے کامیاب ترین ذریعہ طلب واستفادہ کی نیت سے عقیدت ومحبت کیساتھ ایسے بندگان خدا کی صحبت ہے جن کو یہ دولت حاصل ہو، ورنہ صرف کتابوں اور رسالوں میں ایسے مضامین کے پڑھ لینے سے اگرچہ دماغ تو کچھ ضرور بدل جاتا ہے اور دل میں شوق بھی پیدا ہو جاتا ہے، لیکن صرف اس مطالعہ ہی سے دل کے رُخ کا بدل جانا اور باطن میں ان کیفیات کا پیدا ہو جانا اور بالخصوص استقامت حاصل ہو جانا اگرچہ عقلاً محال اور ناممکن نہ ہو، لیکن واقعات کی دنیا میں اس کی مثالیں ڈھونڈنے والوں کو بھی شاذ ونادر ہی مل سکیں گی ——— حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جو اس فن کے یقیناً "امام اعظم" ہیں، خواجہ میر محمد نعمان کو (جو حضرت مجدد کے شیخ حضرت خواجہ

باقی باللہ سے بھی بہت کچھ استفادہ کر چکے تھے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ ایک حد تک سلوک کی تکمیل کر چکے تھے) ایک مکتوب میں نماز کے کچھ اسرار و معارف لکھنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

"بعد از مطالعہ ایں مکتوبات اگر شوقے بہ تعلیم نماز و حصول از کمالات مخصوصۂ آں در شما پیدا شود و بے آرام سازد بعد از استخارہ ہا متوجہ ایں حدود گردند شطرے از عمر بہ تعلیم نماز صرف نمایند، واللہ سبحانہ الہادی الی سبیل الرشاد"

(جلد اوّل مکتوب ع ۲۶۱)

اِن مکتوبات کے مطالعہ کے بعد اگر نماز سیکھنے اور اُس کے مخصوص کمالات حاصل کرنے کا شوق تمہارے دل میں پیدا ہو اور تمھیں بے چین کر دے تو استخارہ کرنے کے بعد ادھر کا رُخ کرو اور یہاں آ کر اپنی عمر کا کچھ حصہ نماز کی تعلیم اور تکمیل میں صرف کرو۔ اللہ سبحانہٗ ہی ٹھیک راستہ پر چلانے والے ہیں۔

گویا خواجہ میر محمد نعمان جیسے اکابر کو بھی اپنی نماز کی تکمیل کی ضرورت ہی اور وہ بھی حضرت امام ربّانی کے مکتوبات میں نماز کے اسرار و معارف پڑھ کر اپنی اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے بلکہ سرہند حاضر ہو کر حضرت مجدد کی صحبت ہی سے یہ چیز اُن کو حاصل ہو سکتی ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ اس قسم کی چیزیں صرف پڑھنے پڑھانے سے اور کتابی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ توفیق دے تو کسی اللہ کے بندے کی صحبت

ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ عارف رومی نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ؎

ایں را بجز از صحبت مرداں مطلب
مردے گردی چو گرد مردے گردی

جو لوگ اپنے ظاہر پرستانہ اور مادہ پرستانہ ذوق کی وجہ سے اس چیز کی اہمیت سمجھنے سے قاصر ہیں، یا جن کا غرورِ علم اور پندارِ دانش ان کے لئے "حجابِ اکبر" بن گیا ہے اور اس لئے دین کے باب میں وہ کسی ایسی چیز کا اعتراف کرنے اور اس کے جاننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے ہیں، جو خود اُن کو حاصل نہیں ہے، وہ اگر اس قسم کی چیزوں کو نہ جانیں اور ان کی اہمیت کو نہ سمجھیں یا انکار کریں تو خلافِ توقع نہیں۔ اس قسم کے انسانوں کی یہ عام اور قدیمی عادت ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهٖ

بہرحال قلب کا رُخ بدلنے اور اپنے اعمال کے باطن کی بلکہ خود اپنے باطن کی نسبت اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر قائم کرنے کا عام اور فطری طریقہ، اہلِ اخلاص و احسان اور اصحاب نسبت کی صحبت ہی ہے، یہ کیمیا صرف اُن کیمیا گروں کے ہی قدموں میں ملتی ہے۔ ؎

تا ابد بوئے محبت بہ مشامش نہ رسد
ہر کہ خاکِ درِ میخانہ بر خسار نہ ریخت

صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو تمام رُوحانی کمالات اسی راہ سے حاصل ہوئے تھے اور اس بارے میں اُن کی حس اتنی لطیف ہو گئی تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس مُبارک سے غیر حاضری کے وقت وہ اپنی کیفیات میں کھلی تبدیلیاں محسوس

کرتے تھے، اور حضورؐ سے اس کی شکایت کرتے تھے۔ حضرت حنظلہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے واقعات معلوم ومشہور ہیں۔ اور بعض صحابہ کا یہ بیان کتب حدیث میں موجود ہے کہ حضورؐ نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کے دفن سے ابھی ہم پوری طرح فارغ نہ ہوئے تھے اور ہم نے ابھی ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنی اندرونی کیفیتوں میں تبدیلی محسوس کی۔

معنی مطلب سمجھکر نماز پڑھنے کی اہمیت!

خشوع وخضوع کی طرح نماز میں فہم معنی کی طرف سے بھی عام طور سے غفلت برتی جاتی ہے اور اس کی کوئی خاص ضرورت واہمیت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ خشوع وخضوع کی طرح یہ بھی نماز کی روح ہے اور بلاشبہ اس کے بغیر نماز بہت ناقص درجہ کی رہتی ہے۔۔۔۔ بعض کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لیس للعبد من صلوٰتہ الا ما عقل منھا — بندہ کو اپنی نماز کے اتنے حصہ کا اجر ملے گا جو اس نے سمجھا ہے۔

(احیاء العلوم - مفتاح السعادۃ)

حافظ ابن القیم اپنی کتاب "الصلوٰۃ واحکام تارکھا" میں بھی روایت ان لفظوں کے ساتھ نقل کرکے "لَیْسَ لَکَ مِنْ صَلٰوتِکَ اِلَّا مَا عَقَلْتَ مِنْھَا" اسکی تشریح کرتے ہیں۔

فاذا لم یعقل فی صلوٰتہ الا فی جزء — نمازی نے اگر اپنی نماز کے کسی ایک ہی جز کو سمجھ کر

واحد کان لہ الاجر بقدر ذالک الجزء وان بوأت ذمتہ من الصلواۃ | ادا کیا، تو اُس کو اجر و ثواب صرف اسی جز کا ملے گا اگرچہ نماز کی فرضیت کا بوجھ اُس کے سر سے اُتر گیا۔

اور اسی مقالہ ہی کے پچھلے صفحات میں "تفسیر ابن کثیر" سے نقل کیا جا چکا ہو کہ (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ) کی سخت وعید ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو نماز سمجھ بوجھ کے نہیں پڑھتے ہیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص نماز کی حقیقت پر کچھ بھی غور کرے، اور صرف اتنی سی بات بھی سمجھ لے کہ نماز دراصل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے سامنے بندے کی نیازمندانہ عرض و معروض ہی اور حمد و ثنا تسبیح و تمجید، اور دعا و استغفار اور تشہد و درود پر مشتمل چند اذکار، اور چند تعظیمی افعال (قیام، رکوع، سجود وغیرہ) سے اس کی حقیقت مرکب ہے اور یہ سب اس کے اجزاء اور عناصر ہیں (اور احساس و شعور اور سمجھ بوجھ کے بغیر زبان سے الفاظ کا نکلنا یا اُٹھنا بیٹھنا ان اذکار و افعال کے حقیقی مقاصد کو پورا نہیں کرتا) وہ بالبداہت سمجھ سکتا ہو کہ جو نماز اس طرح ادا کی جائے کہ پڑھنے والے کو کچھ خبر نہ ہو کہ میری زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے اُس کا مطلب کیا ہے وہ اصلی اور حقیقی نماز نہیں ہے، اور ایسی نمازوں سے صرف فرض کا بوجھ بھی اگر سر سے اُتر جائے، تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہی ہے۔

اور یہ خیال کرنا کہ "عجمیوں کے لئے یہ ناممکن ہو اور اُن کے حق میں اسکو لازم کرنا تکلیف مالایطاق ہے" دین کی اہمیت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اگر مان لیا جاوے کہ پوری نماز کا سمجھنا اچھی خاصی عربی دانی پر موقوف ہے، اور وہ ہم عجمیوں کیلئے مشکل ہے تو اتنا تو یقیناً بہت آسان ہے کہ نماز میں جو اذکار بار بار پڑھے جاتے ہیں جیسے کہ

تکبیر، تسبیحات، تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) تحمید (ربنا لک الحمد) سورۂ فاتحہ، ثنا، تشہد، درود شریف، آخری استغفار، ان سب کے معنی یاد کر لئے جائیں، اگر بالکل بے پڑھے آدمی بھی کوشش کریں تو انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں ان تمام اذکار کے معنی یاد کر سکتے ہیں آخر جب نماز کے الفاظ بھی بلا سیکھے اور بغیر یاد کئے یاد نہیں ہوتے، اور کوشش کئے بغیر نماز پڑھنا نہیں آتا اور یہ سب سیکھنا اور یاد کرنا ہی پڑتا ہے تو پھر تھوڑا سا وقت، اور تھوڑی سی محنت اور صرف کرکے کم از کم ان مقررہ اذکار کے معنی یاد کیوں نہیں کئے جاتے ۔ اصل بات یہی ہے کہ اس کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اللہ اللہ! دنیا میں کسی معمولی سے معمولی آدمی سے بھی بے سوچے سمجھے بات کرنا کسی کو پسند نہیں، مگر اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کرنے کے لئے خود اپنی بات کا مطلب سمجھنے کی بھی ضرورت اور اہمیت نہیں سمجھی جاتی، افسوس!

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

تعدیل ارکان

(یعنی اطمینان کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنا)

اگرچہ خشوع و خضوع اور فہم و شعور کی اہمیت واضح ہو جانے کے بعد "تعدیل ارکان" کے متعلق مستقلاً لکھنے کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ نماز جب خشوع و شعور کیساتھ پڑھی جائے گی تو لازماً تعدیل کے ساتھ یعنی اطمینان سے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھی جائیگی تاہم چونکہ آج کل اس میں بھی بہت زیادہ کوتاہی کی جاتی ہی، اسلئے اس کے متعلق بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعض ارشادات درج کرنے کی ضرورت

محسوس ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلے ثم جاء فسلم علے النبی صلے اللہ علیہ وسلم فرد علیہ السلام فقال ارجع فصل فانک لم تصل ثلثا۔ فقال والذی بعثک بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی، قال اذا قمت الی الصلوٰۃ فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلۃ فکبر ثم اقرء بما تیسر معک من القراٰن ثم ارکع حتےٰ تطمئن راکعا ثم ارفع حتےٰ تعدل قائما ثم اسجد حتےٰ تطمئن ساجدا ثم ارفع حتےٰ تطمئن جالسا ثم اسجد حتےٰ تطمئن ساجدا ثم افعل ذالک فی صلوٰتک کلھا۔

(متفق علیہ وھذا لفظ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اسکے بعد ایک شخص آیا اور اُسنے نماز پڑھی پھر آکر حضور کو سلام کیا آپنے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ پھر نماز پڑھو تمھاری نماز نہیں ہوئی (تین دفعہ ایسا ہی ہوا کہ وہ نماز پڑھکر آیا اور آپنے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا) اسکے بعد اُسنے عرض کیا قسم اُس اللہ کی جس نے آپ کو دینِ حق دیکر بھیجا ہے مجھے اسکے سوا اچھی نماز نہیں آتی، لہذا مجھے سکھا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا جب تم نماز کو کھڑے ہو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو جاؤ، پھر تکبیر کہو پھر قرآن کا جو حصہ تمھیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو پھر رکوع کرو اور تمھارا رکوع اطمینان کے ساتھ ہو، پھر رکوع سے اُٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدے میں جاؤ اور تمھارا سجدہ پورے اطمینان سے ہو، پھر سجدے سے اٹھ کر بیٹھو اور اس بیٹھنے میں بھی اطمینان ہو، اسکے بعد دوسرا سجدہ کرو اور یہ سجدہ بھی اسی طرح اطمینان کے ساتھ ہو، پھر اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو (یعنی اطمینان کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو

اور صحیح ابن خزیمہ میں ابو عبداللہ الاشعری سے مروی ہے وہ چند مشاہیر صحابہ حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسنہ، یزید بن ابی سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ۔

صلّٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ ثم جلس
فی طائفۃ منہم فدخل رجل منہم فقام یصلی
فجعل یرکع وینقر فی سجودہ ورسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلّم ینظر الیہ فقال ترون ھذا؟ مات علی ذالک
مات علی غیر ملۃ محمدٍ۔ ینقر صلوتہ کما
ینقر الغراب الدم ۔ الحدیث رواہ ابو بکر بن
خزیمہ فی صحیحہ ۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم)

"ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کیساتھ نماز پڑھی، اور اُن کی ایک جماعت کے ساتھ آپؐ مسجد ہی میں بیٹھ گئے، اتنے میں ایک شخص اُن میں سے آکر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اور لگا جلدی جلدی رکوع کرنے، اور سجدے میں ٹھونگیں سی مارنے، اور حضورؐ اسکو دیکھ رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا تم اس شخص کو دیکھتے ہو؟ اگر یہ ایسی ہی نماز پڑھتا ہوا مر گیا، تو دینِ محمدیؐ پر نہیں مرے گا۔ یہ نماز میں ایسی ٹھونگیں مارتا ہے جیسا کوّا خون میں جلدی جلدی چونچیں مارتا ہے۔"

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے، کہ

ان الرجل لیصلی ستین سنۃً ومالہ صلوٰۃ قبل وکیف

ذالك ؟ قال يتم الركوع ولا يتم السجود ويتم
السجود ولا يتم الركوع - (كتاب الصلوٰة ابن القیمؒ)

"بعضے آدمی ساٹھ ساٹھ سال نمازیں پڑھتے ہیں، اور فی الحقیقت اُنکی ایک نماز بھی نہیں ہوتی - عرض کیا گیا کہ یہ کیسے ؟ ارشاد فرمایا کہ وہ رکوع ٹھیک کرتے ہیں تو سجدہ پورا نہیں کرتے، اور سجدہ پورا کرتے ہیں تو رکوع پورا نہیں کرتے"۔

اور رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص رازدار صحابی حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے انھوں نے ایک شخص کو نماز پڑھتا دیکھا جو رکوع و سجدے پوری طرح نہیں کرتا تھا، تو اُس سے پوچھا۔

منذ کم تصلی هذه الصّلوٰة ؟ قال منذ اربعین
سنة قال حذیفة ماصلیت ولومت علٰے ذالك مت علٰے
غیر الفطرة - (کتاب الصلوٰة ابن القیمؒ)

"تم کتنے زمانے سے ایسی نماز پڑھتے ہو ؟ اُس نے کہا چالیس سال سے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تم نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں، اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے تو تمھاری موت فطرتِ اسلام پر نہ ہو گی"۔

کیا ان احادیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی نمازوں میں جلد بازی کرنے والے جلد بازی سے نہ رکیں گے ؟ اور اگر بالفرض یہ احادیث اور رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ سخت اور صاف صاف تنبیہات نہ بھی ہوتیں تب بھی خود سمجھنے سوچنے کی بات تھی کہ جب نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے دربار کی حضوری اور اُس سے مخاطبت

اور مناجاۃ کا نام ہے تو اس میں جلد بازی کا صاف صاف مطلب یہی تو ہوگا کہ یہ عبادت اور یہ حاضری اور اللہ تعالیٰ سے نیازمندانہ اور رازدارانہ ہمکلامی کی یہ سعادت ہم کو مرغوب و محبوب نہیں اور اس سے ہم کو دلچسپی نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) یہ ہمارے لئے کوئی مصیبت ہے جس سے ہم جلد سے جلد پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ کوئی آدمی کسی اچھے حال اور اچھے شغل کو کبھی بھی جلدی سے ختم کر دینا نہیں چاہتا۔ پس نمازوں میں جلد بازی کرنے والے سوچیں کہ اُن کا یہ طرزِ عمل نماز کے موضوع کے کس قدر خلاف اور خود اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے اور اُن کا یہ فعل کس جزا کا مستحق ہے۔

نماز میں جماعت کی اہمیت

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی جو اہمیت ہے، آج کل کے بہت سے نماز پڑھنے والے یا تو اس سے آشنا نہیں اور یا غفلت کی وجہ سے اس کے اہتمام میں کوتاہی کرتے ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں متعدد طریقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کے متعلق آپ نے اپنی سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دن ارشاد فرمایا۔

لقد هممت ان آمر بالصّلوٰة فتقام ثم آمر رجلاً
یصلّی بالناس ثم انطلق معی برجال معهم حزم من
حطب الی قوم لا یشهدون الصّلوٰة فاحرق

علیھم بیوتھم بالنار۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

"میرے جی میں ایسا آتا ہے کہ کسی دن یہاں نماز شروع کرنے کا حکم دوں، اور نماز پڑھانے کے لئے کسی دوسرے کو مقرر کر جاؤں اور خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر (جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھے بھی ہوں) ان لوگوں کے گھروں پہ پہنچ کر جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے ہیں، ان کے گھروں کو آگ دے دوں"

اور مسند احمد کی ایک روایت میں اس طرح ہے، کہ

لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلاۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت فی النار۔

"اگر ان گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں عشاء کی نماز شروع کراتا اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں اور گھروں کی تمام چیزوں کو آگ میں جلا دیں"

گویا جماعت سے نماز نہ پڑھنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں اتنا سنگین جرم ہے، کہ ایسے لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دینے کو آپ کا جی چاہتا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے جماعت کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا، کہ

ولقد رائینا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یوتی یھادی بین الرجلین حتےٰ یقام فی الصف۔ (صحیح مسلم)

"ہم نے مسلمانوں کا وہ وقت دیکھا ہے کہ جماعت سے غیر حاضر صرف ایسے ہی منافق ہوتے تھے جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا اور ایسا ہوتا تھا کہ بیمار آدمی دو آدمیوں کے بیچ میں گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (اور وہ جماعت ہی سے نماز پڑھتا تھا)"

اور شیخ ابن القیمؒ ابن المنذر کی "کتاب الاوسط" سے نقل کرتے ہیں۔

روینا عن ابن مسعود وابی موسیٰ انہما قالا من

سمع الندا ء ثم لم یجب فانہ لا تجاوز صلوتہ

راسہ الا من عذرٍ۔

"عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے فرمایا جس نے اذان سنی اور اس پر لبیک نہیں کہا (یعنی مسجد میں حاضر ہو کر جماعت سے نماز نہیں پڑھی) تو اس کی نماز اس کے سر سے آگے نہیں جاتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) الا یہ کہ اُس کو کوئی شرعی عذر ہو"

قال وروی عن ابی ھریرۃ انہ قال لان یمتلی اذن

ابن آدم رصاصاً مذ اباً خیر لہ من ان یسمع المنادی

ثم لا یجیبہ۔ (کتاب الصلوٰۃ ابن القیمؒ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ کسی آدمی کے کان میں پگھلا ہوا رانگ بھر دیا جائے یہ اس کے لئے اس سے اچھا ہے کہ اس کے کان میں اذاں کی آواز جائے اور وہ اس پر لبیک

کہہ کے شریکِ جماعت نہ ہو"

نیز اسی "کتاب الصلوٰۃ" میں شیخ ابن القیمؒ بطریق عبدالرزاق عن لیث، حضرت ابن عباسؓ کے شاگردِ خاص مجاہد سے نقل کرتے ہیں۔

سئال[1] رجل عن ابن عباس فقال رجل یصوم النہار ویقوم اللیل لا یشھد جمعۃ ولا جماعۃ فقال ابن عباس ھو فی النار ثم جاء الغد فسالہ عن ذالک فقال ھو فی النار قال واختلف الیہ قریباً من شھر یسئالہ عن ذالک ویقول ابن عباس ھو فی النار۔ (کتاب الصلوٰۃ)

"ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی ہے جو قائم اللیل صائم النہار ہے مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ اُس شخص نے پھر اگلے دن آکر یہی مسئلہ پوچھا، اور حضرت ابن عباسؓ نے پھر یہی جواب دیا کہ وہ جہنم میں جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ سائل مہینہ بھر تک آآکر یہی مسئلہ پوچھتا رہا اور حضرت ابن عباسؓ ایک ہی جواب دیتے رہے کہ وہ جہنم میں جائے گا۔"

اور شیخ ابن القیمؒ کی اسی کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

ولما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبلغ اھل

---

[1] حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ کسی قدر اختصار کیساتھ جامع ترمذی میں بھی مروی ہے۔ ۱۲

مکة موتہ خطبھم عتاب بن اسید وکان عاملہ (صلی اللہ علیہ وسلم) علٰی مکة یا اھل مکة واللہ لا یبلغنی ان احداً منکم تخلف عن الصلوٰة فی المسجد فی الجماعة الا ضربت عنقہ۔

(کتاب الصلوٰۃ ابن القیم الجوزیہ)

"جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات ہوئی، اور مکہ میں اسکی اطلاع پہنچی تو عتاب بن اسید نے جو مکہ پر حضورؐ کی طرف سے حاکم مقرر تھے، اہل مکہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، اور اُس میں یہ بھی کہا کہ اگر مجھے کسی کے متعلق یہ معلوم ہو گا کہ وہ مسجد میں آکر جماعت سے نماز نہیں ادا کرتا ہے تو خدا کی قسم میں ضرور اُسکی گردن اُڑوا دوں گا۔"

فی الحقیقت دین میں جماعت سے نماز پڑھنے کی اہمیت وہی ہی جو ان احادیث و آثار سے معلوم ہوتی ہے اور اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بلا عذر شرعی آدمی تنہا اپنی نماز پڑھے اور واقعہ یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے ساتھ دین کے جو نہایت اہم اور اعلیٰ مقاصد اور مصالح وابستہ ہیں (جن کی طرف کچھ اشارات[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجة اللہ البالغہ" میں بھی کئے ہیں) اُن کا تقاضا یہی ہے کہ جماعت کے بارے میں شارع کا رویہ اتنا ہی سخت ہو[2]۔ علاوہ ازیں صحیح حدیث میں وارد ہوا ہی کہ

---

[1] حجة اللہ البالغہ جلد ثانی صفحہ ۷۰ زیر عنوان "الجماعة"۔۱۲

[2] بعض ائمہ سلف کا تو مسلک ہے کہ جو نماز بلا عذر شرعی بغیر جماعت پڑھی جائے، وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوتی۔ علامہ ابن القیمؒ نے اپنی "کتاب الصلوٰۃ" میں اس موضوع پر ایک مستقل فصل میں کلام کیا ہی۔۱۲

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ۲۷ گنا زیادہ ہوتا ہے[۱] پس سوچنا چاہئے کہ جماعت کی پابندی نہ کرنا اپنے کو کتنے بڑے ثواب سے محروم رکھنا ہے۔

صحیح امام کا انتخاب

نماز اور جماعت کے سلسلے میں جو کوتاہیاں عام طور سے ہو رہی ہیں اور جو غفلتیں برتی جا رہی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے لئے غلہ اور ترکاری بلکہ اپنے جانوروں کے لئے گھاس اور بھوسہ خریدتے وقت بھی آدمی اچھائی بُرائی کا جتنا خیال کرتے ہیں، بہت سی جگہ کسی کو امام نماز بنانے میں اتنا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ لوگ جب بیمار ہوں تو چاہتے ہیں کہ اُن کا معالج کوئی اچھا طبیب اور اچھا ڈاکٹر ہو، مقدمہ لڑائیں تو کوشش کرتے ہیں کہ کسی اچھے ہوشیار اور قابل وکیل کی خدمات حاصل کریں، لڑکے کو امتحان پاس کرانے کے لئے اگر ٹیوٹر کی ضرورت ہوتی ہے تو اچھے سے اچھا تلاش کرتے ہیں، اور اگر گھر کے کام کاج کے لئے نوکر کی ضرورت ہو تو اس میں بھی سب خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن نماز پڑھانے کے لئے (جو درحقیقت اللہ کے دربار میں نمایندگی کا منصب ہے اور دین کے اہم کام میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ دارانہ نیابت ہے) کچھ بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

امامت کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کا طرزِ عمل!

امامت کے باب میں اسلام کا جو اصل نظریہ ہے وہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب تک

---

[۱] بخاری ومسلم وغیرہ۔ ۱۲

دنیا میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رونق افروز رہے ہمیشہ آپؐ ہی امامت فرماتے رہے، حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی اُس وقت تک برابر آپؐ ہی نماز پڑھاتے رہے جب تک کہ مسجد میں تشریف لانا آپ کے لئے ممکن رہا۔ پھر آخر کے تین چار دنوں میں جب مرض بہت ہی زیادہ غالب آگیا اور کیفیت یہ ہوگئی کہ آپ نے کئی بار مسجد میں تشریف لانے کا ارادہ فرمایا، اور ہر دفعہ غشی طاری ہوگئی تو آپ نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں گویا خود معذور ہونے کی صورت میں امامت نماز کے لئے آپ نے اسی شخص کو متعین فرمایا جو ساری امت میں افضل تھا بلکہ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے اسی طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ ابوبکرؓ ہی ہم سب میں افضل و اعلیٰ، سب سے زیادہ لائق اور سب سے اونچی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں اور اسی بنیاد پر خلافت کیلئے متفقہ طور سے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ سب سے افضل تھے، چنانچہ وفاتِ صدیقی کے بعد اپنی افضلیت کی بنا پر وہی خلیفہ ہوئے، اور ابو لولو، کے خنجر سے زخمی ہونے کے دن تک برابر خود ہی مسجدِ نبویؐ میں امامت بھی فرماتے رہے۔ بہر حال اسلام نے تو یہی بتلایا تھا کہ تم میں علم و عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے جو سب سے اعلیٰ ہو وہی تمہارا امام نماز ہو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے لئے عملی مثال بھی یہی چھوڑی تھی۔ لیکن وائے برحال ما! اب کیفیت یہ ہے کہ جو دو چار فی صدی مسلمان نمازیں پڑھتے بھی ہیں، اور اُن میں سے جو ایک دو فیصدی جماعت سے پڑھتے اور پڑھنا چاہتے ہیں اُن میں بھی، زیادہ اہل اور زیادہ صالح کو امام بنانے کا اہتمام باقی نہیں رہا۔

اِلّا من شاء اللہ

افضل و اصلح امام کے میسر ہوتے ہوئے غیر افضل کو امام بنانا جُرم ہے، جس کی سزا اِس دُنیا میں بھی ملتی ہے!	اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم فرمائے ہم اتنا نہیں سمجھتے

کہ اس طرزِ عمل کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اپنی نمازوں کو بہتر بنانے اور اچھی طرح ادا کرنے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے، پھر اگر اللہ کی رحمت و نصرت بھی ہماری طرف سے بے پرواہ ہو جائے تو بالکل حق اور عینِ عدل ہے۔ امام احمدؒ اپنے رسالہ "الصلوٰۃ و مایلزمہا" میں ناقل ہیں۔

وقد جاء الحدیث اذا ام بالقوم رجل وخلفہ من ھو افضل منہ لم یزالوا فی سفال۔ (ص۱۳)

"حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی قوم کی امامت ایک شخص کرے اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں کوئی اُس سے افضل اور اصلح موجود ہو تو یہ قوم ہمیشہ تنزل اور پستی میں رہیگی۔"

عجیب بات ہے "بہت سے نمازیں پڑھنے والے یہ تو سوچتے ہیں کہ جب ہم نمازیں پڑھتے ہیں تو دنیا میں بھی ہم کو وہ انعامات کیوں نہیں ملتے جن کی بشارتیں قرآن وحدیث میں نمازیں قائم کرنے والوں کو سنائی گئی ہیں اور کیوں ہم عزت کی زندگی سے محروم پستی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں؟ ——— مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس پیغمبر کے ذریعہ "اقامتِ صلوٰۃ" کی شرط کے ساتھ یہ بشارتیں ہم کو ملی ہیں اُسی پیغمبر کی زبان سے ہم کو یہ بھی تو سنوا دیا گیا تھا کہ نماز کا حق ادا کرنے میں حتیٰ کہ امام کے انتخاب میں بھی کوتاہیاں اور بے پروائیاں کرنے والوں کے لئے ذلت و پستی اور

خرابی و بربادی ہی ہے ——— پس آج جس ذلت و نکبت سے ہم دوچار ہیں اور جو خواری و بے اعتباری ہم پر مسلط ہے اس کے سوا کی ہم کو توقع کرنے کا کیا حق ہے۔

ھل تجزون الا ما کنتم تعملون ؁

افسوس! مسلمانوں نے امامت کے لئے افضل و اصلح کے انتخاب کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھے امام، اچھے سردار اور اچھے لیڈر کا انتخاب ہی کسی قوم کی فلاح و بہبود اور عزت و ترقی کا بنیادی پتھر ہوتا ہے۔ جس قوم کو ہر دن میں پانچ مرتبہ اچھے امام اور اچھے لیڈر کا انتخاب کرنا پڑتا ہو اور ایک قانون کے ماتحت اُس کی اقتدا کی مشق مقررہ وظیفہ کی طرح کی جاتی ہو، اسکی ذہنی صلاحیتوں اور عملی طاقتوں کے نشو و نما کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

دشمنوں پر غلبہ اور منصب خلافت حاصل ہونے میں نماز کی تاثیر کا راز

قرآن مجید میں جو کہیں کہیں اس طرح کے اشارات کئے گئے ہیں کہ نماز مثلاً جماعتی مشکلات و مصائب کو دُور کرتی ہے اور ضعف و مغلوبیت کو طاقت و اقتدار سے بدلتی ہے، اور نماز قائم کرنیوالی اُمت بالآخر منصب خلافت پر فائز کی جاتی ہے، سو ان نتائج میں جس طرح نماز کی باطنی اور روحانی تاثیرات کو دخل ہے اسی طرح اسباب ظاہر کے نقطۂ نظر سے اس ذہنی و عملی تربیت کو بھی دخل ہے جو باجماعت نماز کے ذریعہ مسلسل طور پر امت کو دی جاتی ہے۔

اس نکتہ پر تفصیلی گفتگو کا تو یہ موقع نہیں، تاہم مختصراً اتنا اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب خلافت پر فائز کئے جانے اور

تمکین فی الارض عطا ہونے کے لئے کسی جماعت میں جو باطنی اوصاف اور اعلےٰ اخلاق ہونے چاہئیں مثلاً عدالت، سماحت، بے لاگ خدا ترسانہ سیرت وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز اگر خشوع وخضوع اور شعور وحضور کے ساتھ پڑھی جائے جیسا کہ اُس کا حق ہو تو ایک طرف تو وہ یہ اوصاف واخلاق پیدا کر کے اس منصبِ عظیم کا مستحق اور اہل بنائیگی اور دوسری طرف وہی اُس تنظیم اور اُس جدوجہد کے لئے بھی اُمت کو تربیت دے گی جو اس مقام ومنصب کو حاصل کرنے کے لئے اس عالمِ اسباب میں ضروری ہو۔ پس نماز درحقیقت ان دونوں حیثیتوں سے مقام خلافت اور تمکین فی الارض کی کلید بھی ہے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں نماز کے ان نتائج واثرات کی طرف لطیف اشارات کئے گئے ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ
اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ (ق۔۳۶)

(تمھارے مخالفین تمھارے اور تمھاری دعوت کے بارے میں) جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور سورج نکلنے اور سورج کے ڈوبنے سے پہلے اللہ کی تسبیح وتحمید کیا کرو اور رات میں بھی سجدوں کے بعد اس کی پاکی بیان کیا کرو۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ
النُّجُوْمِ ۝ (طور۔ع ۲)

"اپنے رب کے حکم پر جمے رہو تم ہماری نظروں میں ہو اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو جب تم اس کے سامنے کھڑے ہو اور رات کے وقت اور ستارے ڈوبنے کے وقت بھی اس کی تسبیح کرو۔"

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ — اور صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد لو

اور سورۂ یونس میں حضرت موسیٰ اور اُن کی قوم کے ساتھ فرعونی حکومت کی سختیوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد بنی اسرائیل کی یہ دعا نقل کی گئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اے ہمارے پروردگار ہم کو ظالم قوم کا تختۂ مشق نہ بنا، اور اپنی رحمت سے ہمیں اس کافر قوم کے مظالم سے نجات دے۔"

پھر بنی اسرائیل کی یہ دعا نقل کرنے کے بعد متصلاً ارشاد ہوا ہے۔

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس - ع - ۹)

"اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو وحی کی کہ اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر مقرر کرو اور اپنے ان گھروں کو قبلہ رُخ کرو اور نماز قائم کرو! اور ایمان والوں کو (نجات اور فتح) کی خوشخبری سنا دو۔"

اور بالکل اسی طرح سورۂ کوثر میں براہِ راست رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور آپ کے توسط سے ساری اُمت کو نماز اور قربانی کا حکم دینے کے ساتھ دشمنوں کے

پس آج ہم پر جو ذلّت و ادبار مسلط ہے وہ ہمارے اسی اجتماعی جرم کی سزا ہے کہ ہم نمازوں کی اور اسی طرح دوسرے روابط الٰہیہ کی ناقدری کر رہے ہیں اور انکے بارے میں غفلت و لاپروائی برت رہے ہیں۔ الغرض ہماری اس مغضوبیت اور مقہوریت کا باعث نمازیں نہیں ہیں بلکہ نمازوں کی ناقدری اور اُن کی طرف سے غفلت و لاپروائی ہماری اس زبوں حالی کا باعث ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ہم مسلمان ہونے کے باوجود ذلّت و عذاب کی جو زندگی گزار رہے ہیں تو اس کا باعث "اسلام" نہیں ہے بلکہ یہ اُس جرم کی پاداش ہے کہ ہم اسلام کو قبول کرنے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں بلکہ عملاً اس کے بڑے حصّے سے منحرف ہیں اور اس جرم کی سزا اللہ تعالےٰ کے یہاں ازل سے یہی مقرر ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم

دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور

صحابہ کرامؓ کا عشقِ نماز

اس مقالہ میں نماز کے متعلق جن اصولی باتوں کے ذکر کا ارادہ کیا گیا تھا، الحمدللہ قلم اُن کی تحریر سے فارغ ہو چکا، اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام کو جو عشق و شغف تھا، اور نماز میں اُنکی جو حالت اور کیفیت ہوا کرتی تھی اُس کی بھی کچھ جھلک ان اوراق میں دکھائی جائے۔ کیا عجب کہ یہاں تک کی ترغیب و ترہیب سے بھی جن دلوں پر کوئی اثر نہ ہوا ہو مقبولین کے احوال کا تذکرہ ان کو بھی متاثر کر سکے۔ کہتے ہیں کہ قول سے زیادہ تاثیر و طاقت صادقین کے احوال و کیفیات میں ہوتی ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز کے ساتھ جو تعلق خاطر تھا، اور قلب مبارک اور رُوح منور کو جو خاص کیفیت نماز میں حاصل ہوتی تھی، اس کا بہت کچھ اندازہ آپ کے مشہور ارشاد "قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ" (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) سے کیا جا سکتا ہے، نیز احادیث میں ہے کہ جب نماز کا وقت قریب ہوتا تو آپ حضرتِ بلالؓ

سے ارشاد فرماتے "قُمْ یَا بِلَالُ اَرِحْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ" (بلالؓ اٹھو نماز کا بندوبست کرکے میرے دل کو چین و آرام پہنچاؤ)۔

[حضرت بلالؓ سے آپؐ کا یہ فرمانا اسلئے تھا کہ وہ مسجدِ نبویؐ کے مؤذن ہونے کے علاوہ آج کل کی اصطلاح میں گویا مہتمم جماعت بھی تھے۔]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق نماز کا اس سے بھی زیادہ واضح اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ قبل از ہجرت، طائف میں آپ کو جب لرزہ خیز ایذائیں پہنچائی گئیں اور اسی طرح جب غزوۂ اُحد وغیرہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے آپ سخت زخمی ہوئے تو دوسروں کے درخواست کرنے پر بھی آپ نے ان کے حق میں بددعا نہیں فرمائی، بلکہ اُن کی ہدایت اور انجام بخیر ہی کے واسطے دعا کی۔ لیکن غزوۂ احزاب میں جب دشمنوں نے ایک دن آپ کو عصر کی نماز پڑھنے کی مہلت نہ دی اور آپ کی وہ نماز قضا ہوگئی تو اتنی سخت بددعا زبانِ مبارک سے نکلی کہ ایسی بددعا کسی دوسرے موقع پر کسی بڑے سے بڑے موذی کے حق میں بھی آپ نے نہیں فرمائی ہوگی۔ حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا۔

شغلونی عن صلوۃ الوسطےٰ صلوۃ العصر ملأ اللہ بیوتھم وقبورھم نارًا۔

ان لوگوں نے مجھے عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی، اللہ انکے گھروں اور انکی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

اور متعدد روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ نماز کے ساتھ کسی خاص عشق و شغف ہی کا یہ نتیجہ تھا ——— نیز چند صحابہ کرامؓ سے مروی ہی کہ انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات میں اس طرح سے نوافل پڑھتا دیکھا کہ پہلی رکعت میں

پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اور وہ بھی اس طرح کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آتی وہاں آپ ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، اور جہاں کوئی قہر و عذاب کی آیت آتی تو ٹھہر کر اُس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے اس طویل قیام کے بقدر رہی طویل رکوع کیا اور پھر اسی قدر لمبا سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آل عمران پڑھی اور پھر تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ پڑھیں، گویا اس طرح چار رکعتوں میں آپ نے سوا چھ سیپارے پڑھے اور معلوم ہے کہ آپ کی قرأت ہمیشہ ترتیل سے ہوتی تھی، اور جیسا کہ گذرا اس نماز میں رحمت و عذاب کی آیتوں پر ٹھہر ٹھہر کر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے تھے۔ پھر ہر رکعت کے رکوع و سجدے بھی قیام کی طرح طویل طویل ہوتے تھے ——— آپ کی نماز کی یہ کیفیت در اصل اسی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" والی باطنی حالت کا ایک ظاہری کرشمہ تھا۔ کاش اللہ تعالےٰ ہم محروموں کو بھی اس کا کوئی ذرہ نصیب فرمادے۔

حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے نواسہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسے بے حس و حرکت ہو جاتے تھے کہ گویا ایک لکڑی ہی جو زمین میں گاڑ دی گئی ہے۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو جب خنجر سے زخمی کیا گیا تو ایک وقت آپ پر کچھ غشی کی سی کیفیت طاری تھی، اس حالت میں کسی نے آپ کو نماز پڑھنا یاد دلایا تو فرمایا۔ "نَعَمْ لَاحَظَّ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ" (ہاں! نماز ضرور پڑھنی ہی جس نے نماز نہیں پڑھی اُس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں) پھر آپ نے اسی حال میں نماز

ادا کی، اور آپ کے زخم سے خون کا گویا فوارہ جاری تھا۔

اور اسی موقع پر بعض کتابوں میں حضرت فاروقِ اعظمؓ سے یہ درد انگیز اور حسرت آمیز الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں "لَا حَظَّ فِی الْحَیَاتِ وَقَدْ عَجَزْتُ عَنِ الصَّلٰوۃِ" (جب میں نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو گیا ہوں تو زندہ رہنے میں کوئی لطف نہیں)۔

ایک غزوہ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک خطرہ کے موقع پر رات کو پہرہ دینے کے واسطے دو صحابیوں کو متعین فرمایا، اُن میں سے ایک مہاجر تھے اور دوسرے انصاری، اِن صاحبوں نے ڈیوٹی کو نصفا نصف تقسیم کر لیا یعنی طے کیا کہ ہر ایک آدھی آدھی رات پہرہ دے اور دوسرا اُس وقت میں سوئے، اس تقسیم کے مطابق انصاری صحابی نے رات کے پہلے حصے میں پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر ساتھی سو گئے ـــــ پھر ان انصاری بزرگ نے بجائے خالی جاگنے کے یہ بہتر سمجھا کہ نماز میں مشغول رہ کر یہ وقت گزارا جائے، چنانچہ انھوں نے نماز شروع کر دی۔ دشمن کی جانب سے کوئی شخص آیا اور اُس نے آدمی کھڑا دیکھ کر تیر مارا اور جب یہاں کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی آواز نکلی تو یہ سمجھ کر کہ نشانہ خطا ہو گیا دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا، اور یہاں ہر تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتا رہا اور یہ اس کو جسم میں سے نکال نکال کر پھینکتے رہے اور نماز میں مشغول رہے، پھر اطمینان سے رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور نماز پوری کر کے مہاجر ساتھی کو جگایا، اُنھوں نے اُٹھ کر دیکھا کہ ایک چھوڑ تین تین جگہ سے خون جاری ہے، انھوں نے ماجرا پوچھا اور کہا کہ تم نے مجھے شروع ہی میں کیوں نہیں اٹھا دیا۔ ان انصاری بزرگ نے جواب دیا میں نے ایک سورت (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے

رکوع کروں، لیکن پھر مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اگر اس طرح پے بہ پے تیر لگتے رہے اور میں مرگیا تو حضورؐ نے پہرہ داری کی جو خدمت میرے سپرد کی ہے وہ فوت ہوجائے گی، اس خیال سے میں نے رکوع کردیا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو سورہ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا، اگرچہ مر ہی کیوں نہ جاتا۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک پرندہ اڑا اور کچھ دیر تک باغ کے اندر چکر لگاتا رہا، انکی نگاہ اُس پر پڑی اور اس کے ساتھ ساتھ تیرتی رہی، خیال کے اس بٹ جانے کی وجہ سے نماز میں سہو ہوگیا، یاد نہ رہا کہ یہ کون سی رکعت ہے، فوراً حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نماز میں یہ خلل اس باغ ہی کی وجہ سے پڑا ہے، میں اب اس کو اپنی مِلک سے نکالتا ہوں اور راہِ خدا میں دیتا ہوں۔ جس مد میں بھی آپ مناسب سمجھیں اس کو لگادیں۔ کتبِ سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ کا یہ باغ کئی لاکھ درہم کی مالیت کا تھا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ایک دوسرے انصاری صحابی کا بھی ہے جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عہدِ خلافت میں پیش آیا تھا ——— وہ ایک دن اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کھجوروں کے پکنے کا خاص موسم تھا، اور خوشے کھجوروں کے بوجھ سے جھکے پڑتے تھے، ان کی نگاہ خوشوں پر پڑی اور وہ منظر ان کو بھلا معلوم ہوا، خیال کے اُدھر لگ جانے سے ان کو بھی سہو ہوگیا، اور یاد نہیں رہا کہ کے رکعت پڑھ چکے ہیں، نماز میں بس اتنا سا خلل آجانے سے اس قدر صدمہ ہوا کہ اُسی وقت طے کرلیا کہ اس باغ کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور ماجرا ظاہر کر کے عرض کیا کہ میں اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اب یہ آپ کے حوالہ ہے اس کا جو چاہیں کریں اور جہاں چاہیں لگا دیں۔ چنانچہ انھوں نے پچاس ہزار درہم میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں صرف فرما دی۔

حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کا مشہور واقعہ ہے کہ جب وہ کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے اور ایک مدت تک قید میں رکھنے کے بعد قتل کرنے کے واسطے ان کو مقتل میں لایا گیا تو سولی پر چڑھانے کے وقت اُن سے پوچھا گیا کہ تمھاری اگر کوئی خاص تمنا ہو تو کہو، انھوں نے کہا! ہاں ایک تمنا ہے اگر تم پوری کر سکو اور وہ صرف یہ ہے کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ کے دربار کی حاضری قریب ہے، اگر تم مہلت دو تو دو رکعت نماز پڑھ لوں، چنانچہ مہلت دی گئی اور انھوں نے بڑے اطمینان اور کامل خشوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ موت کے ڈر سے دیر کرنا چاہتا ہے تو دو رکعت اور پڑھتا، اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

کتب حدیث و سیر کے یہ مشہور و معلوم واقعات ہیں انھیں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے ان پہلوٹے فرزندوں کو نماز کے ساتھ کیسا عشق و شغف تھا ——— اور یہ تو وہ برگزیدہ ہستیاں تھیں جنھوں نے براہِ راست رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اکتسابِ فیض کیا تھا، اور دوسری دینی و روحانی کیفیات کی طرح ہی حضور کی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" والی کیفیت کو بھی اپنے باطن میں اتار لیا تھا، اس لئے اُن کا یہ حال ہونا ہی چاہئے تھا لیکن بعد کے زمانوں میں بھی

بہت سے اللہ کے ایسے بندے گزرے ہیں جو نماز کے ساتھ اسی طرح کا عشق و شغف رکھتے تھے۔

زمانۂ مابعد کے بزرگانِ دین کا عشق و شغف نماز کے ساتھ

ثابت بنانی مشہور محدّث ہیں، وہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ خواجہ عبدالواحد لاہوری سے منقول ہے کہ ایک دن فرمایا، کیا جنّت میں نماز نہ ہوگی؟ کسی نے عرض کیا۔ "حضرت! جنّت تو دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل، پھر وہاں نماز کیوں ہونے لگی"۔ یہ سُن کر بڑے درد کے ساتھ اور روتے ہوئے فرمایا "پھر بغیر نماز کے وہاں کیسے گزریگی"۔

اہل اللہ کے تذکروں میں نماز کے ساتھ خاصانِ خدا کے عشق و شغف کے بڑے بڑے اثر انگیز اور سبق آموز واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ مخدومنا حضرت مولٰنا محمد زکریا مدظلہٗ (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور) نے اپنے رسالہ "فضائل نماز" میں بھی اس قبیل کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، اہلِ شوق وہاں مطالعہ فرمائیں اب ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ زندہ اور بیدار دل رکھنے والوں کے لئے مذکورۂ صدر چند واقعات ہی کافی ہیں۔

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

"قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"

والی کیفیت کا راز!

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" والی نسبت سے حصہ پانے والے اصحابِ احسان اور مقربین کو نماز میں جو کیفیات حاصل ہوتی ہیں اگرچہ وہ تحریر و بیان کے دائرہ سے باہر ہی کی چیزیں ہیں اور ان کا صحیح ادراک بھی صرف انھیں خوش نصیبوں کا حصہ ہے جو خود اُس سے بہرہ یاب ہوں، اور اس باب میں عارفین کا یہ مقولہ بلاشبہ سو فی صدی صحیح ہے کہ "من لم یذق لم یدر" (جس نے اس کو نہیں چکھا وہ اس کا ذائقہ بھی نہیں جانتا) تاہم دوسروں کی تشویق و ترغیب ہی کے لئے بعض اکابر عرفاء نے اس بارہ میں جو اشارات کئے ہیں، جی چاہتا ہے کہ اس مقالہ کو اُن کے ذکر سے بھی خالی نہ رکھا جائے، کیا عجب کہ کسی خوش نصیب کے دل میں یہی اشارات شوق کی آگ بھڑکا دیں اور صدقِ طلب و حسنِ نیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ نعمت اس کو بھی عطا فرما دیں۔

امامِ ربانی سیدنا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ یقیناً اُن عرفاءِ کاملین میں سے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دولتِ عظمیٰ (یعنی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" والی نسبت) سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ حضرت ممدوح نے اپنے چند تعلیمی و تربیتی مکاتیب میں، نماز میں حاصل ہونے والی کیفیات اور واردات کے متعلق بعض بڑے بڑے شوق انگیز اشارات فرمائے ہیں، بس انھیں کے چند اقتباسات کا یہاں درج کرنا ہماری غرض کے لئے کافی ہے۔

جلد اوّل کے مکتوب نمبر ۱۳۷ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

بدانند کہ رتبۂ نماز در رنگ رتبۂ رویت است در آخرت نہایت قرب در دنیا در نماز است و نہایت قرب در آخرت در حین رویت۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں نماز کا درجہ وہی ہے جو آخرت میں دیدارِ الٰہی کا ہے۔ اس دنیا میں بندہ کو مولیٰ کا انتہائی قرب نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار کے وقت نصیب ہو گا"

نیز اسی جلد کے مکتوب نمبر ۲۶۱ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

نماز است کہ راحت دہ بیماراں است "ارحنی یا بلال" رمزیست ازیں ماجرا۔ "و قرۃ عینی فی الصّلوٰۃ" اشارہ الیست بایں متمنا۔ ... ... مصلی کہ از حقیقتِ نماز آگاہ است در وقت اداءِ صلوٰۃ گویا از نشاءِ دنیوی مے برآید و در نشاءِ دنیوی مے در آید، لاجرم درینوقت دولتے کہ مخصوص بآخرت است نصیبے ازاں فرامیگیرد و حظے از اصل بے شائبۂ ظلیت بدست مے آرد۔

"نماز ہی بیمارانِ عشق و محبت کا چین و آرام ہے، حضورؐ کے ارشاد (ارحنی یا بلال) میں اسی طرف اشارہ ہے، اور (قرۃ عینی فی الصلوٰۃ) میں بھی اسی مدعا کا اظہار ہے۔ ... ... جو نماز پڑھنے والا نماز کی

حقیقت سے آشنا ہے وہ نماز ادا کرتے وقت گویا اس دنیا کے
دائرہ سے نکل کر عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے، پھر اسکو اس دولتِ عظمیٰ
میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہی، یعنے
"اصل بے شائبہ ظلیت" کا ایک گونہ وصال و لقا میسر ہو جاتا ہی"
نیز اسی جلد کے مکتوب نمبر ۳۰۵ میں فرماتے ہیں :-

منتہی در نماز در وقت قرأت قرآن و اتیان تسبیحات و تکبیرات
زبان خود را در رنگ شجرۂ موسوی مے یابد و قویٰ و جوارح
خود را بیش از آلات و وسائط نمیداند، و گاہے مے یابد کہ
در وقت ادائے نماز باطن و حقیقت بتمام از ظاہر و صورت
تعلق گسستہ بعالم غیب ملحق شدہ است و نسبتِ مجہول
الکیفیت بغیب پیدا کردہ، و چوں از نماز فارغ شدہ باز
رجوع نمودہ۔

"مردِ کامل نماز کے اندر قرأت قرآن اور تسبیحات و تکبیرات کہتے وقت
اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کے مانند پاتا ہے اور اپنے اعضاء و قویٰ کو
آلات و وسائط کے سوا کچھ نہیں جانتا (جو بالکلیہ کسی اور ہی کے
ارادہ و اختیار کے تابع ہیں) اور کبھی اس کو محسوس ہوتا ہے کہ نماز
ادا کرتے وقت اس کا باطن اور اس کی حقیقت اُسکے ظاہر اور اُسکی
صورت سے بالکل منقطع ہو کر عالمِ غیب سے وابستہ ہو گیا ہو اور غیب
کے ساتھ اس کو ایک مجہول الکیفیت نسبت حاصل ہو گئی، اور جب

نماز سے فارغ ہوتا ہے تو گویا پھر سے اس دنیا میں واپس آتا ہے"۔

جیساکہ ہم شروع ہی میں اعتراف کر چکے ہیں یہ کیفیات بیشک گفتنی اور نوشتنی نہیں ہیں، تاہم حضرت امام ربانی کے ان اشارات سے (قرۃ عینی فی الصلوٰۃ) اور (ارحنی یا بلال) کے اجمال کی کچھ نہ کچھ تشریح اور (الصلوٰۃ معراج المومنین) کی حقیقت کی ایک درجہ میں توضیح ضرور ہو جاتی ہے، اور آپ کے ان الفاظ وعبارات ہی کے پردوں سے ان کیفیات وواردات کی کچھ نہ کچھ جھلک نظر آہی جاتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو حضرت مجددؒ کے ان اشاروں ہی کی روشنی میں اس مقام کی طرف بڑھنے کی اور اپنی نمازوں کو "معراج المومنین" کے درجے تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھے گا، میری رحمت ایک ہاتھ برابر بڑھ کر اس کا استقبال کرے گی۔

اس مقالہ کو ختم کرتے ہوئے ناظرین کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے پھر صاف صاف یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خاصانِ خدا کے ان احوال وکیفیات کے ذکر اور اُن کے عارفانہ ارشادات کے نقل کرنے سے راقم سطور کے بارے میں کسی کو غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ یہ واقعہ ہے جس میں کسی رسمی انکسار اور تصنع کو مطلق دخل نہیں، کہ یہ سیہ کار اس بارے میں بڑا محروم اور بے نصیب ہی اور اُس کے پلّہ میں سوائے حسرت اور آرزو کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں اس دولت کے بہرہ مندوں سے اُسے محبّت ہے اور بیشک ان کے احوال ومقامات کے تذکرہ اور اُن کے ارشادات کی نقل وتکرار میں اسے خاص لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی اُس روسیاہ پر ربِّ کریم کا خاص الخاص احسان ہی۔